مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

Issue.No .9	نومبر ۲۰۰۶ء (November,2006) شوال المکرم ۱۴۲۷ھ	VOL.No.1

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

☆ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ☆ مولانا محمد صالح جی
☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا
☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت ☆ مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

☆ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ☆ مولانا محمد عمر قاسمی
☆ مولانا محمد ساجد عزیزی قاسمی ☆ مولانا محمد نظام الدین ندوی

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

سب ایڈیٹر
محمد ارشد فیضی
9758636871

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

نقوش اسلام، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.......................۱۰/روپے
سالانہ.......................۱۰۰/روپئے
خصوصی ۳۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰/ڈالر

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI
PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE
CHIEF EDITOR.MOHD MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found.
Border\BISMIL01\001. not found.
npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ ندویت قاسمیت تبلیغی جماعت تین فرقے نہیں تین مکاتب فکر ہیں	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	۳
تجزیہ امت مسلمہ کی گمشدہ طاقت	حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی	۵
انداز تحریر حضرت مولانا کا اصول نگارش	مولانا حضرت مولانا محمد ولی رحمانی	۱۰
دعوت دین دعوت وتبلیغ کے اصول	مولانا محمد سرور فاروقی	۱۲
شخصیات مولانا ابوسعید محمد یاور حسین......	پروفیسر بدرالدین الحافظ	۱۶
اقبالیات مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی	محمد بدیع الزماں	۱۸
تحقیق ونظر حدیث شریف کی اہمیت وافادیت	مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی	۱۹
مقامات اسلامی دنیا کی رصدگاہیں	محمد زکریا ورک	۲۴
سیرت صحابہ یمن کے گورنر معاذ بن جبلؓ	حمید اللہ قاسمی کیرنگری	۲۸
آئینہ ہند ہندوستان کا دستور	محمد ارشد فیضی	۳۰
گوشۂ خواتین اسلام میں پردہ کی اہمیت	محترمہ سارہ عزیزی	۳۳
صورت حال اسلام ہی دنیا میں امن قائم کرسکتا ہے	مولانا فتح محمد کھجناوری	۳۷
لمحۂ فکریہ چندروزہ زندگی	مولانا محمد عمر مجاہد پوری	۳۹
اخلاقیات رشتہ جب ٹوٹتا ہے	محمد بدرالدین قاسمی	۴۰
قرآنیات قرآن کریم کا اعجاز	حافظ محمد امتیاز رحمانی	۴۲
اصلاحیات چند اصلاحی باتیں	حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پور	۴۳
تبصرے نئی کتاب پر تبصرہ	مولانا محمد ساجد قاسمی	۴۷
حالات حاضرہ عالمی خبریں..................	حافظ عبدالستار صاحب عزیزی	۴۸

2\A020.tif not found.

E.mail:masood_azizi@rediffmail.com --------- nuqooshe_islam@yahoo.com

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا۔

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: حمید اللہ قاسمی رابطہ کے لیے 9719639955 ☆عزیزی کمپیوٹر سنٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

ندویت قاسمیت تبلیغی جماعت تین فرقے نہیں
← تین مکاتب فکر ہیں →

محمد مسعود عزیزی ندوی

دیوبند اور ندوہ کے بعض فارغین افراط وتفریط اور غلو میں مبتلا ہیں، بعض قاسمی، ندوی حضرات کی تمام صفات کے قائل ہو کر بھی آخر میں ان کی بزرگی اور تصوف وروحانیت پر اعتراض کرتے ہیں، جب کہ بعض ندوی، قاسمی حضرات کو تنگ نظر، قدامت پرست گردانتے ہیں؛ حالانکہ نہ صرف یہ کہ دونوں کا شجرۂ نسب ایک ہے، بلکہ دونوں کا مقصد بھی ایک ہی ہے اور یہ دونوں اپنے مقاصد میں حتی الوسع کامیاب ہیں، اس سلسلہ میں احقر اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ لکھنا چاہتا ہے، میرے اکثر اساتذہ کرام قاسمی ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے میری فراغت ہوئی اور میری تعلیم کے آخری چھ سال اسی ادارہ سے وابستہ رہے ہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب احقر نے اپنے رائپور کے زمانہ قیام میں اپنے ایک بزرگ سے دیوبند میں داخلے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کمبخت برباد ہو جائے گا، پھر اگلے سال میں نے ندوہ میں داخلہ کی خواہش ظاہر کی تو فرمایا کہ ٹھیک ہے، جاؤ علی میاں کو خط لکھ رہا ہوں، چنانچہ یہ نامہ سیاہ ندوہ چلا گیا، بعض اساتذہ نے اپنے خطوط میں عقیدہ کی حفاظت وپختگی کی دعائیں دیں، بعض نے پر تکلف طریق تحریر سے بچنے کی نصیحت کی، بعض نے داخلہ سے پہلے یہ بتایا کہ ندوہ کی بنیاد انگریز نے رکھی ہے اور ندوۃ میں انگریز کی قبر ہے، جو خاص موقعوں پر خاص لوگوں کو دکھائی جاتی ہے اور یہ بھی بتلایا کہ ندوہ کی دیوار پر اسٹیچو (Statue) رکھا ہوا ہے، لیکن یہ نامہ سیاہ جب ششماہی امتحان کی تعطیل میں لکھنؤ پہنچا تو مجھے ایسا کچھ نظر نہ آیا؛ بلکہ اس کے برخلاف مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد تو ایسے اکابر نے رکھی ہے جن سے قوم وملت کی اصلاح وتعمیر ہوئی ہے اور وہ جس کو انگریز کی قبر سمجھا جارہا تھا، وہ ندوہ میں جمعیۃ الاصلاح کے سامنے پارک میں اونچا سا بنا ہوا گول دائرہ ہے جو محض پارک کو خوبصورت بنانے کے لیے بنایا گیا ہے، جہاں تک اسٹیچو کا تعلق ہے، چونکہ ندوہ کے برابر میں لکھنؤ یونیورسٹی کا آرٹ کالج ہے، جس کی باونڈری کی دیوار ندوہ کی باونڈری کی دیوار سے مل رہی ہے، وہ اسٹیچو دراصل اسی آرٹ کالج کی دیوار پر نصب ہے، مگر وہ دیکھنے والے کو شبہ میں ڈال دیتا ہے کہ شاید یہ اسٹیچو ندوہ کی دیوار پر نصب ہے۔

ندوہ میں تعلیم کے دوران اپنے علاقے کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، ان کے پوچھنے پر میں نے بتلایا کہ ندوہ میں پڑھ رہا ہوں، اتنا سن کر وہ کہنے لگے کہ وہاں پڑھ کر کیا کرو گے، وہاں پڑھ کر تو یہاں (دیوبند کے علاقے سہارنپور) کی کتابیں نہیں پڑھا سکتے، اسی زمانے میں ہمارے علاقے کے ایک طالب علم نے بھی ندوہ کے حالات سے متأثر ہو کر ندوہ جانے کا پروگرام بنایا اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے ایک استاذ (جس کو وہ مخلص سمجھتے تھے) سے مشورہ طلب کیا، تو انہوں نے برجستہ کہا کہ

مسعود نے پٹی پڑھائی ہوگی، خیر لکھنؤ کے زمانہ طالب علمی میں اساتذہ میری وضع قطع، چال چلن اور ڈاڑھی مکمل ہونے پر مطمئن رہے، فراغت کے بعد بعض دوستوں نے بھی میری وضع قطع پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ماشاءاللہ ویسے تو سب کچھ ٹھیک ہے، لیکن اگر دارالعلوم دیوبند میں کچھ وقت لگادیتے تو بات ہی اور ہوتی، کہ سمندر کی کچھ چھینٹیں لگ جاتیں، اس پر میں نے کہا بھائی میں نہ دیوبندی ہوں نہ ندوی، بس ندوی اس لیے لکھتا ہوں کہ وہاں سے رسمی طور پر میری فراغت ہوئی ہے، ورنہ میں دراصل مسلمان ہوں، قرآن وحدیث کو مانتا ہوں، اسلاف امت اور اہل سنت والجماعۃ کا متبع ہوں، ان کو میری بات بہت پسند آئی، اس کے بعد میں نے ان سے معلوم کیا کہ بھائی کیا مطلب کچھ چھینٹیں لگنے کا، تو انہوں نے بتلایا کہ کچھ روحانیت وتصوف آجاتا؛ لیکن مجھے روحانیت وتصوف والا واقعہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا معیار ہے؟ اس لیے کہ ایک صاحب جب ندوہ پہونچے تو انہوں نے ندوہ دیکھنے کے بعد کہا کہ ماشاءاللہ بہت ٹھیک ہے، بس روحانیت محسوس نہیں ہوئی، اس کے بعد ان کو ندوہ کے سفید ریش، سفید پوش بزرگ نائب ناظم حضرت مولانا معین اللہ ندویؒ سے ملاقات کرائی گئی تو کہنے لگے کہ ہاں روحانیت بھی موجود ہے، بعض دوستوں نے مجھ سے یہاں تک کہا کہ ندوہ میں نہ تو حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے، نہ فقہ، اور نہ ہی تفسیر، لیکن مجھے اس قسم کی باتیں بے حقیقت معلوم ہوئیں؛ کیونکہ احقر نے ندوہ میں صحاح ستہ بھی پڑھی، فقہ بھی پڑھی اور تفسیر بھی۔

ایک صاحب کا معاملہ تو یہ ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی شخص جاکر کہتا ہے کہ میرا لڑکا فلاں کرسچن کالج میں داخلہ لینا چاہتا ہے دعا کیجئے تو وہ دعا کرتے ہیں، پھر کوئی دوسرا آکر اپنے لڑکے کو فلاں ہندو کالج میں تعلیم دلانے کی غرض سے دعا کی درخواست کرتا ہے، تو ان کے لیے بھی دعا کی جاتی ہے، لیکن جب تیسرا شخص آکر یہ کہتا ہے کہ میرا ندوہ میں داخلہ لینے کا ارادہ ہے، تو فوراً اس پر مشفقانہ ڈاٹ پڑتی ہے اور اس سے کہا جاتا کہ یہاں نہیں، تم فلاں مدرسے میں جاکر داخلہ لے لو۔

بعض ندوی جو دیوبند کی اہمیت اور تاریخ سے واقف نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ دیوبند میں پڑھنے والا محض گونگا ہوتا ہے، نہ تو اس کو عربی آتی ہے، نہ اس میں تحریر وتقریر کی صلاحیت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کو انگریزی کی شد بد ہوتی ہے، عربی ادب سے تو ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور یہ تو محض جھگڑالو ہوتے ہیں، جب احقر پہلے پہل ندوہ گیا تو ایک ندوی نے ایک غلط فہمی کے پس منظر میں دیوبند کے علاقہ کا ہونے کی وجہ سے دارالعلوم ومظاہر علوم کے اختلافات کا مجھے مورد الزام ٹھہرایا اور اس سلسلہ کی ان کو جتنی قرآنی آیات وحدیثیں یاد تھیں، سب سناڈالیں، جوش میں ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، غرض یہ کہ ایک چھوٹا موٹا سا جلسہ کرڈالا، میں یہ صورت حال دیکھ کر رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر ہوا اور اللہ سے دعائیں کیں۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے کہ ان دونوں اداروں کا قیام، جن مقاصد کے تحت وجود میں آیا تھا، وہ ان میں کامیاب ہیں، دیوبند میں دارالعلوم قرآن وسنت کی تعلیم وتبلیغ کے ساتھ انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے قائم ہوا جس کے لیے نہ صرف یہ کہ وہ آزادی کے آخری لمحے تک جدوجہد کرتا رہا؛ بلکہ وہ اس میں کامیاب بھی ہوا اور ندوہ اس کے ۲۶ سال بعد نزاع باہمی کو ختم کرنے اور جدید نصاب کی ترتیب کے ذریعہ عصر جدید کے ہر چیلنج کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کی تعلیم وتبلیغ اور عصری تعلیم کے فروغ کے لیے قائم ہوا، اس نے قدیم صالح اور جدید نافع اختیار کرنے کا اعلان ونعرہ لگایا اور عربی زبان کو قرآن وحدیث کی زندہ

وجاویدزبان اوردعوت کی زبان سمجھ کر پڑھنے اور پڑھانے کا انداز اورفکر پیش کی۔

اس سلسلہ میں اس نے غیر معمولی کوششیں کیں اور جدید نصاب تعلیم تیار کر کے مسلمانوں کوحصول تعلیم کا ایک نیا رخ دیا، اس سلسلہ میں اس نے جو کامیابی حاصل کی اس کی نظیر مشکل سے ملتی ہے، رہا طلبہ و متعلمین کی صلاحیت کا مسئلہ تو وہ مختلف ہوسکتا ہے، سو فیصد نہ ندوہ سے باصلاحیت نکلتے ہیں اور نہ دیوبند سے، اس پر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بعض ناواقف کسی کم صلاحیت طالب علم یا عالم کی ملاقات سے اس ادارے پر تبصرہ واعتراض شروع کردیتے ہیں، جہاں سے اس کی رسمی فراغت کا تعلق ہے، حالاں کہ ایسے موقع پر انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں اداروں کی اپنی الگ الگ اہمیت وساخت کا اعتراف کیا جائے، چونکہ اس حقیقت سے سبھی واقف ہیں کہ دونوں کے قیام کے فروعی مقاصد الگ ہیں، دونوں کے وجود کا پس منظر الگ الگ ہے، لہٰذا ایک کا دوسرے سے موازنہ وتقابل کرنا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوسکتا، دراصل دونوں اداروں پر صحیح تبصرہ وہی کرسکتا ہے اور یہ حق اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جس نے دونوں گھاٹوں سے پانی پیا ہو اور ان دونوں اداروں کے اہل علم سے استفادہ کیا ہو۔

بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم سے فارغ ہونا بھی ٹھیک، مظاہر سے فارغ ہونا بھی ٹھیک؛ لیکن ندوہ سے فارغ ہونا خطرہ کا باعث ہے، یہ تصور محض ایک دھوکہ ہے، دیوبند، مظاہر علوم، ندوہ سے پہلے ہندوستان میں ہزاروں مدارس تھے، مدارس کی تاریخ بڑی پرانی ہے، جتنی پرانی اسلامی تاریخ ہے اتنی ہی پرانی مدارس کی تاریخ بھی ہے، اس لیے اگر یہ شرط اور قید لگائی جائے اور باقی قدیم وجدید مدارس کے فارغین کو مسترد کردیا جائے، تو امت تنگی کا شکار ہوجائے گی اور دین تنگی میں ڈالنے کے لیے نہیں؛ بلکہ وہ تو وسعت وکشادگی کا داعی ہے، عسر کا نہیں بلکہ یسر کا حامی ہے، ایک بات اور میں اہل علم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ یہ عرض کروں گا کہ ہمارے ندوہ سے تعلق رکھنے والے علماء کسی غیر ملکی پروگرام میں علمائے ندوہ کی شرکت کو ندوی برادری سے تعبیر کرتے ہیں اور قاسمی حضرات علمائے دیوبند کی شرکت کو قاسمی برادری یا علماء دیوبند سے تعبیر کرتے ہیں، جو حد درجہ افسوس ناک ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں اتنی ٹولیوں میں تقسیم ہونے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ علمائے ندوہ اور علمائے دیوبند کو اور وہ تمام علماء جن کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہوں، ان کو علماء حق کی اصطلاح قائم کرنی چاہئے کہ ایسی صورت میں ہی تمام مکاتب فکر کے علماء کا آپس میں اتحاد ممکن ہے۔

جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے تو اکثر جماعت کے لوگ سمجھتے ہیں کہ دین صرف جماعت کا کام ہی ہے، مدارس دین نہیں، راقم سطور نے اپنے کانوں سے رائے پور کے زمانہ طالب علمی میں رائے پور کی جامع مسجد میں علماء وطلبا کی موجودگی میں ایک جماعتی بھائی کو تقریر کرتے ہوئے سنا جس میں عوام بھی موجود تھے کہ بھائی یہ دینی کام مدارس والوں نے اور علماء نے تو چھوڑ دیا ہے، اب یہ کام ہمیں اور آپ ہی کو کرنا ہے اور یہ بات اب بھی وہ ہر جگہ پوری ڈھٹائی اور جرأت کے ساتھ کہتے ہیں، اگر کوئی ایک چلہ لگا کر یا چند روز جماعت میں وقت لگا کر آ گیا ہو تو وہ پھر کسی مولوی یا عالم کو اپنے سے بہتر اور اپنے سے زیادہ جاننے والا نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ اگر جوڑ یا جماعت کا پروگرام ہو اور وہاں کوئی عالم بھی موجود ہو تو وہ اس کو گوارہ نہیں کرتے کہ عالم تقریر کرے؛ بلکہ وہ جماعتی بھائی کو تقریر کے لیے کھڑا کرتے ہیں، جو قرآن وحدیث کی بجائے بیٹھک اور چوپالوں یا اپنے ساتھیوں سے سنی ہوئی باتیں، کرامات

وتجربات بھی اپنے بڑوں، بزرگوں کے حوالہ سے اس طرح نقل کرتا ہے، کہ خود اس کو بھی پتہ نہیں ہوتا۔

غرضیکہ وہ بعض مرتبہ عوام میں ایسی باتیں کرتے ہیں جن کے سبب عوام میں دین اور علماء سے بداعتقادی پیدا ہو جاتی ہے اور اپنی مجلسوں میں قرآن کے حلقے، تفسیر کے حلقے، حدیث وفقہ کے حلقے کو گویا وہ جائز ہی نہیں سمجھتے، صرف پوری شریعت فضائل اعمال اور چھ نمبروں کو سمجھتے ہیں، اس سے انکار نہیں کہ چھ نمبر حضرات اکابر نے دین کے خلاصے کے طور پر وضع کئے ہیں، تاکہ بتلانا اور عمل کرنا آسان ہو، نیز وہ اپنے بیانات کی تمہید میں انبیاء کرام اور حضور وصحابہ تک تبلیغ کی اہمیت اور کام کو بتلاتے ہیں، بیچ کی پوری تاریخ کو صرف نظر کر کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پرزور انداز میں بعد کی کوششوں کو نقل کرتے ہیں، حالانکہ انکو معلوم ہونا چاہئے کہ تبلیغ کی تاریخ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے نہیں؛ بلکہ اس کی تاریخ بھی انسانی تاریخ کی طرح پرانی؛ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب علم تشریعی کے سلسلہ کی ابتداء ہوئی اور انسانی ہدایت کے لیے پیغمبروں کا آنا شروع ہوا، تبھی سے ہے، آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے چھ سو سال کا عرصہ گذرا جس میں تبلیغی کام نہیں ہو، اسی زمانے کو فترۃ اور جاہلیت کے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، پھر حضور کی بعثت کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں دین کا کوئی داعی، کوئی مبلغ، کوئی مجدد اپنے رفقاء کے ساتھ تبلیغ کا کام کرتا ہوا نظر نہ آتا ہو، اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے دعوت وتبلیغ کے طریقۂ کار کو نیا روپ دیا، اور پھر آگے چل کر یہی روپ تحریکی شکل اختیار کر گیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا الیاسؒ اس تحریک کے بانی اور اس تحریک کے مجدد ومبلغ ہیں، لیکن اس اہم کام کے سلسلہ نسب کو ان کی ذات اور ان کی خدمات پر جا کر ختم کر دینا یہ ہماری کوتاہ نظری اور دعوت وعزیمت کی تاریخ سے عدم واقفیت کی دلیل ہوگی، اس لیے تبلیغی بھائیوں کو سوچنے اور سمجھنے اور بڑی دانشمندی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اور رہی یہ بات کہ علماء اور مدارس یہ دین کا کام نہیں کرتے، یہ بالکل ہی غلط سوچ وفکر ہے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور دوسرے اکابر تبلیغ وہ مولوی اور علماء ہی تھے اور وہ انہیں مدارس کے پروردہ تھے، بلکہ مرکز میں اس وقت موجود علماء بھی انہیں مدارس کے فیض یافتہ ہیں، جو آج تبلیغی حضرات کی نظر میں دین کا کام نہیں کر رہے ہیں" سبحانك هذا بهتان عظيم "

اس سلسلہ میں میری اکابرین تبلیغی جماعت سے گزارش ہوگی کہ نظام الدین مرکز سے سبھی جماعتوں کو جہاں بہت ساری ہدایات کی جاتی ہیں، وہیں ان کو یہ بھی ہدایت دیں کہ جماعت کے کام سے وابستہ حضرات علماء کی قدر کریں، مدارس کو نہ صرف دین کا شعبہ سمجھیں؛ بلکہ دین کی اشاعت وحفاظت کا قلعہ تصور کریں، غیر تو مدارس کی اہمیت سے واقف ہیں، یہود ونصاری اور امریکہ تو مدارس دینیہ کو اسلام اور دین کی حفاظت کا ذریعہ اور اپنی بقاء کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں؛ لیکن ہمارے دینی بھائی اور جماعت کا کام کرنے والے حضرات مدارس کی اہمیت سے واقف نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کام سے جڑی ہوئی نامور ہستیاں اس سلسلے میں کوشش کریں اور مدارس کے تعلق سے عوام میں جو غلط تأثر پھیلا ہوا ہے یا پھیلایا جا رہا ہے، اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے، چونکہ آج جب کہ حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں، اگر ہمارے مدارس کے علماء میں آپسی اتحاد واتفاق قائم نہیں ہوا اور ہر ایک مدرسہ دوسرے مدرسہ کو دینی قلعہ، دینی کام کا ذریعہ تصور کرنے کی بجائے آپسی انتشار کا شکار

رہا، خاص کر اہل مدارس اور تبلیغی جماعت کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کا احترام اور ایک دوسرے کے کام کی قدر کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، تو امت میں بگاڑ اور انتشار پیدا ہوگا اور اس کے ذمہ دار علماء و مدارس اور دعاۃ مبلغین حضرات ہی ہوں گے، سب کا مقصد ایک ہونا چاہئے، دین مقصود ہو، حفاظت واشاعت دین مقصود ہو، رضاء الٰہی مطلوب ہو۔

اس وقت عالمی پیمانے پر نہیں بلکہ آل انڈیا یا پیمانے پر مسلمانوں کو، علماء کو، مسلمانوں کے سرکردہ رہنماؤں کو، زعماء ملت اور لیڈران کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں، کہ دور کے دشمن کا اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ خود آپ کے پڑوسیوں کا خطرہ ہے، وہ آپ کے ساتھ ظلم وزیادتی اور کشت وخون کی جو ہولی کھیلتے ہیں، وہ آپ کی کمزوری ہے، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جس پر ظلم کیا جارہا ہے، وہ دیوبندی ہے، بریلوی ہے، سلفی ہے، جماعت اسلامی والا ہے، شیعہ ہے یا اور کوئی فرقہ ہے، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے بلکہ یہ ''مسلہ'' ہے، اس لیے تمام فرقے جن پر اسلام یا مسلمان ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، سب کو ایک ہوجانا چاہئے، میں اس کا داعی نہیں کہ آپ کوئی الگ سیاسی پارٹی بنائیں، بلکہ سب فرقوں کے سربرآوردہ لوگ اکٹھا ہوکر کوئی لائحہ عمل تیار کریں اور ہندوستان کے قانون کی پاسداری ملحوظ رکھتے ہوئے، حکومت کو میمورینڈم پیش کریں، اور اپنے حقوق حاصل کریں، اگرچہ موجودہ صورت حال میں اتحاد کی بات ایک خواب معلوم ہوتی ہے، مگر مایوس نہ ہونا چاہئے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے ہندوستان کے حالات کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ''جب کہ یہ فرقہ پرست جتھابندی کرکے مسلم قوم کے درپے ہیں، اگر خوانخواستہ ان کو کامیابی ہوگئی (جس طرح کے آثار مسلمانوں میں موجود ہیں) تو مسلمان شودر قوموں سے بھی زیادہ گرجائیں گے اور ان پر وحشیانہ مظالم ہوں گے، جن کی نظر دنیا میں نہ ملے گی، شخصی عزت اور مالداری اس وقت کام نہ آئے گی، قوم کا گرجانا شخصی عزت کو سنبھال نہیں سکتا، ہمارے معزز اور سربرآوردہ حضرات تو احساس ہی نہیں رکھتے، اور نفسی نفسی میں مبتلا ہیں، ہر ہر خاندان اور افراد قوم کو سنبھالنا اور جگانا چاہئے، ان میں باقاعدہ کمیٹیاں قائم کرنا چاہئے، تجارت، تعلیم، سپہ گری وغیرہ قائم کرتے ہوئے جہالت، نااتفاقی، فضول خرچی، مقدمہ بازی سے ان کو بچانا چاہئے اور پوری منظم قوت کی کوشش کرکے دینی جذبات اور عملیات کو کمال پر پہنچانا چاہئے، نیز فرمایا کہ اگر آپ کا ارادہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام باقی رہے اور آپ کی آئندہ نسلیں یہاں زندہ رہ سکیں، تو بہت جلد بیدار ہوجائیے، جو حالت ہمارے جمود واختلاف اور تغافل کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوگئی ہے وہ نہایت مایوس کن ہے، شہروں کا پھرنے والا، واقعات کا دیکھنے والا پورا یقین کرتا ہے، کہ غیر مسلم قومیں ہر طرح تلی ہوئی ہیں کہ مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔

مزید فرمایا کہ اگر اتحاد واتفاق سے رہوگے، منافرت اور جاہ طلبی سے بچوگے، ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور ایک جان چندقالب بنے گا، جس طرح مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، مولانا یعقوب صاحب، مولانا مظہر صاحب نانوتوی، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی قدس اللہ تعالی اسرارہم تھے، تو خود بھی کامیاب ہوگے اور امت کو بھی کامیابی نصیب ہوگی، اللہ تعالی کوئی ایسی سبیل نکالدے کہ مسلمان اپنی عظمت رفتہ بحال کرنے کی کوشش کریں بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

//////☆☆☆☆☆//////

تجزیہ

امت مسلمہ کی گمشدہ طاقت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پچھلے پچاس برسوں میں امت اسلامی نے اپنی نفسیاتی اور انسانی طاقت کا ایک ایسا جز گنوایا ہے، جوان کے ماضی کی تاریخ کے تمام ادوار میں ان کے پاس محفوظ رہا تھا، ان کی طاقت کا یہی جز، ان کی عظیم طاقت کی بنیاد اور کلید تھی جس کے ذریعے وہ ہر باہری حملہ کا مقابلہ کرتی تھی اوراسی طاقت کی کارفرمائی تھی کہ مسلمان اپنی امت اوراپنے عقیدے کی بنا پر خارجی طاقت اورفوجی مشن کے مقابلے میں کوہ گراں ثابت ہوتے تھے، یہ طاقت اتنی زبردست تھی کہ جب سے اسلام کا آفتاب عالم تاب اس عالم وجود اوراس کائنات میں طلوع ہوا، اس وقت سے لے کر آج تک دشمن اور اغیار خوف کھاتے رہے ہیں اور ہمیشہ اس طاقت کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے رہے ہیں، مسلمانوں نے اسی طاقت کی بدولت خیر وبھلائی جاہ وعزت، شان وشوکت، قوت ودبدبہ اوروقار واحترام حاصل کیا اورلوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے۔

یہ بیش بہا اور عظیم طاقت جسے مسلمانوں نے کھودیا، وہ ہے اسلامی اقدار پر مضبوط اورغیر متزلزل ایمان ویقین اوراسلام کے بھیجنے والے اورلانے والے یعنی خدا اور رسول سے مخلصانہ محبت اوروفاداری تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ مسلمانوں کا ظہور اسلام کے وقت سے ہی محبت کے ان دونوں مرکزوں سے قلبی تعلق اوردلی ربط رہا ہے اوراسی طاقت نے ان کے اندر ایسا جذبہ اور قلبی ربط پیدا کیا کہ وہ جس قدر بھی اسلام کے اوامر کی تعمیل سے دور ہوئے ہوں، اس کے احکام پر عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہوں اوراس کے تقاضے پورا کرنے میں سستی وکاہلی میں مبتلا ہوئے ہوں؛ لیکن کسی بھی حال میں ان کا رشتہ اللہ تعالی، اس کے رسول اوراس کے دین اسلام سے کمزور نہیں ہونے پایا، چنانچہ اللہ اوراس کے رسول کی محبت جوان کے دلوں میں پائی جاتی ہے، یہی وہ چیز تھی جس کو سب سے آخر میں زوال آ سکتا تھا اور یہی ان کی وہ خصوصیت اورخوبی تھی جس کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ ممتاز اور نمایاں رہے ہیں اوراسی سے ان کے دشمنوں اوردوستوں نے یکساں طور پر ان کو جانا پہچانا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب تمام دوسرے ذرائع ابلاغ اوروسائل ناکام اور بے سود ثابت ہوجائے تو اس وقت یہی واحد طاقت ہوتی جس کا قائدین اورزعماء سہارا لیتے اورامت اسلامیہ کو اسلام اوراس کے مقدس مقامات اور شعائر کی مدافعت کے لیے ثابت قدم بناتے، یہ طاقت تاریخ اسلامی کے تاریک ترین ادوار میں پیش آنے والے دشوار حالات میں ظاہر ہوئی اورمسلمان قائدین نے سنگین حالات میں اس سے فائدہ اٹھایا، اس کی روشن مثال وہ کامیاب معرکہ جوفلسطین کے مقام حطین میں پیش آیا جس کی قیادت عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے کی، اس وقت عرب اقوام کی حالت آج سے بہتر نہ تھی، ان کا شیرازہ منتشر تھا، انتشار وپراگندگی اوراختلافات کا شکار تھے اوراسلامی تعلیمات سے بھی دور تھیں؛ لیکن اسلام کے نام پر مرمٹنے کا جذبہ ان کے اندر موجود تھا اوروہ اپنے کو اسلام کا وفادار کہتے تھے، چنانچہ وہی قوم جو مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک مضبوط امت بن گئی اورمنتشر اکائیوں سے بدل کر ایک طاقتور اور ٹھوس اکائی ہوگئی۔ ایسی اکائی جس کی سخت چٹان پر مغربی صلیبی اسلامی

دشمن اکائیاں پاش پاش ہوکر رہ گئیں، سوال یہ ہے کہ آخر یہ طاقت، یہ عزم واستقلال مسلمانوں کے اندر کہاں سے آ گیا، اور اس کمزور اور پست قوم کے اندر یہ عزم واتحاد کہاں سے پیدا ہوا جس کی وجہ سے وہ ایک کمزور امت سے ایک مربوط اور مضبوط ونا قابل شکست قوم بن گئی، یہ سب کچھ آخر کیسے ہوا، بلا شبہ اس طاقت کا سرچشمہ اسلامی اقدار پر ایمان راسخ اور عظیم ایمانی منبع سے محبت اور خلوص کے ساتھ لگاؤ تھا، اسی بنیاد کو اسلام کے جانباز مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسلم اقوام اور عالم عربی کے لوگوں میں زندہ اور تابندہ کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی، مسلمانوں کی پوری پچھلی تاریخ میں معنوی طاقت کا یہ چشمہ برابر فیض رسانی کرتا رہا، جس وقت دوسرے تعلقات ختم ہو جاتے تھے اس وقت اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی ان کو آپس میں جوڑتا تھا ہمیشہ اس تعلق کی بنیاد پر ان میں استقلال اور ثابت قدمی پیدا ہوئی اور اسلام دشمن طاقتیں اس خطرناک پہلو اور ان پوشیدہ صلاحیتوں سے لرزاں وترساں رہی ہیں۔

یہ خوف اور یہ خطرہ اس صدی کی چھٹی دہائی تک دشمنان اسلام کے دلوں میں باقی رہا، خوفناک ترین نعرہ اللہ اکبر کا تھا، اس خوف اور احساس کا عالم یہ تھا کہ کمزور اور طاقتور دشمنان اسلام بھی ڈرتے تھے، اور مسلمانوں نے اس نعرہ کا خوب فائدہ اٹھایا اور ایک مدت دراز تک جب اسلامی اقدار پر ان کا ایمان راسخ رہا اور تعلق مع اللہ والرسول باقی رہا اس نعرہ سے مستفید ہوتے رہے، لیکن جوں جوں اس ایمان اور تعلق میں ضعف ہوتا گیا اسی قدر آہستہ آہستہ مسلمان اس کے فائدے سے محروم ہوتے گئے اور ان کا نعرہ بھی رفتہ رفتہ کھوکھلا اور بے اثر ہو گیا، اسی لیے جب دشمنوں کو اندازہ ہو گیا کہ اب ان نعروں اور تکبیروں میں جان باقی نہیں رہی اور یہ لوگ محض گفتار کے غازی ہیں کردار کے غازی نہیں رہے، تو ان کے دلوں سے جہاد کی ہیبت دور ہو گئی اور تکبیروں کا خوف جاتا رہا، بلا شبہ امت مسلمہ کی تاریخ کا یہ ایسا زبردست خسارہ اور ایسا نقصان ہے جس کے مقابلے میں بڑے سے بڑے نقصانات کوئی حقیقت نہیں رکھتے، اسی سبب سے اسلام کا رعب ودبدبہ اور مسلمانوں کی شوکت وسطوت اغیار کے دلوں سے نکل گئی، حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، آج کی تعداد عہد اول کی تعداد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، ان کی حکومت اور سلطنت آج دنیا کے ایک چوتھائی حصہ پر ہے اور اسلامی مملکت دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے، اس کے پاس مادی اور مؤثر اور نتیجہ خیز طاقتیں پہلے کی بہ نسبت بحمد اللہ کہیں زیادہ ہیں؛ لیکن نفسیاتی اور شعوری میدان میں نہ ان کا کوئی اثر ہے نہ زور، نہ دشمنوں کے دلوں میں ان کی کوئی قیمت ہے، مسلمانوں کی تعداد کہنے کو اب ایک ارب کے قریب پہنچ رہی ہے لیکن مجھے میری اس صاف گوئی کے لیے معاف کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کی حقیقت سیلاب کے خس وخاشاک کی سی ہے۔

آج مسلمانوں کے اندر سے وہ روح نکل گئی ہے جس سے کسی زمانے میں وہ دشمنوں پر فتحیاب اور کامران ہوتے تھے، بس جسم ہے اور انسانی ڈھانچہ، لیکن اگر روح نہ ہو تو جسم خواہ کتنا ہی فربہ اور مسلح ہو کیا سودمند ہوگا؟

اغیار کی نظریں ہمیشہ مسلمانوں کی اسی نمایاں صفت پر ہو رہی ہیں اور ان کی پیہم کوشش یہی رہی ہے کہ ان کے اس عظیم جوہر اور بیش بہا طاقت اور امتیازی صفات سے ان کو دور کر دیا جائے؛ لیکن پچھلی صدیوں میں ان کو ہمیشہ ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا، مگر موجودہ صدی میں ملحدانہ ثقافت اور فاسد تمدن کو پروان چڑھتی ہوئی نئی نسل پر دلکش اور پرکشش نعروں کے ذریعہ مسلط کر کے اور ان کی نفسیاتی اور ذہنی تربیت ایسے انداز سے کر کے کہ وہ ہر قدیم چیز سے متنفر اور اپنے ماضی کے ورثہ سے برگشتہ ہو جائے، دشمن طاقتوں کو اپنے ناپاک ارادوں میں تقریباً کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

یورپ نے پوری کوشش اس بات پر صرف کر دی ہے کہ ایسے لوگ تیار کئے جائیں جن کا تعلق اپنی امت اور اس کی روشن تاریخ سے صرف قومیت کی بنیاد پر قائم رہے۔ ﴿بقیہ صفحہ ۱۲ پر......﴾

حضرت مولانا کا اصول نگارش

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی، سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب بنیادی طور پر ممتاز عالم دین ، صاحب دل بزرگ اور داعی دین تھے ، دین کی دعوت کو عام کرنے کے لیے انہوں نے تحریر اور تقریر کی مدد لی اور زبان وادب پر غیر معمولی قدرت کو دعوت دین کی راہ میں لگادی۔

دعوت دین کے انداز اور اسلوب کو سمجھنے اور برتنے میں داعی کے مزاج وانداز ، ذوق اور طبیعت کا دخل فطری چیز ہے، حضرت مولانا کی طبیعت گرم دم جستجو، نرم طرز گفتگو کی تھی ، اس لیے لہجۂ ابوبکر اور طریقۂ ابوہریرہؓ پر عامل تھے۔ تاریخ اسلام میں بزرگوں کا اپنا اپنا انداز رہا ہے، اور سبھی انداز ہم کو پیارے ہیں، کوئی حضرت عمرؓ کے انداز پر چلنے والے، کوئی معاذ بن جبلؓ کے رخ کو اختیار کرنیوالے، کوئی حضرت علیؓ کے رنگ میں رنگے ہوئے ، راہ جن کی بھی اپنائی جائے ، منزل بہرحال ملے گی" بایھم اقتدیتم اھتدیتم "کی بشارت اسی لیے ہے۔

حضرت مولانا کی تحریریں پڑھ جایئے وہ دماغ کو مجبور نہیں کرتے ، دلیل کے سامنے چپ کر دینے والا انداز نہیں اپناتے ، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث سے ، بزرگوں کی سیرت وسوانح سے ، لفظی نکتوں اور ادبی جہتوں سے اور سوز دروں سے دلوں کو چھولیا جائے ، اور دل کی امانت سینوں میں اتار دی جائے ، اس لیے ان کا قاری چمنستان محمدی اور بہارستان اسلامی میں محوخرام رہتا ہے، ذہنی دباؤ سے دور ، فکری تشنج سے پرے ، بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے، آپ کہہ سکتے ہیں کہ "از دل خیزد و بر دل ریزد" والی بات ہے۔

وہ عوام سے مخاطب ہوں یا طلبہ سے، اہل علم کے لیے لکھ رہے ہوں، امراء اور سلاطین ان کا نشانہ ہوں، یا علماء کرام سے کچھ کہنا ہو، وہ اکثر و بیشتر ان ڈائرکٹ میتھڈ (بالواسطہ ترسیل) اپناتے ہیں، پاجا سراغ زندگی ، مرد خدا کا یقین ، تاریخ دعوت وعزیمت ، سیرت سید احمد شہید سے لے کر "ردۃ و لاابابکر لھا " تک ضخیم جلدیں ہوں، مختصر کتابیں، یا چھوٹے رسائل، عام طور پر حضرت مولانا کا آرٹ آف پریزینٹیشن (Art of Presentation) یہی ہے، بزرگوں، بڑوں اور اکابر کی تصویر انکی تحریروں میں جلوہ گر ہوتی ہے، وہ آئینہ دکھاتے ہیں اور قاری اس روشن آئینہ میں اپنی صورت وسیرت کے زخموں اور دھبوں کو، کمی کوتاہی کو، درد دل کے ساتھ ، اپنی کمی کے احساس کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور کچھ پالینے کا جذبہ اس میں ابھر جاتا ہے، یہ ان کا قلمی کمال ہے اور یہی چیز ان کی سیرت کا تحفہ بھی!

انہیں عرب سربراہوں اور شیوخ کو عالم کے فکری ، اور تہذیبی ارتداد کی طرف متوجہ کرنا تھا، تو انہوں نے عرب شیوخ پر جملوں کے گولے نہیں داغے، جلی کٹی نہیں سنائی ، سرکار ذی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملی ارتداد کا جو واقعہ سامنے آیا تھا اور اس موقع پر خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیقؓ نے جس جرأت ، ہمت اور عزیمت کا طریقہ اپنایا تھا، حضرت مولانا نے اس تاریخی کردار کا آئینہ عربوں کے سامنے رکھ دیا اور اس طور پر رکھا کہ عرب شیوخ کے دل نے محسوس کیا، کہ حضرت ابوبکر صدیق کے عمل کو دہرانے کا وقت آ گیا ہے، ان کی نگاہیں صدیق اکبر کو تلاش کرنے لگیں، وہ مجلسوں میں کہنے لگے، جذبہ کے ساتھ، فکرمندی کے ساتھ، احساس ذمہ داری کے ساتھ ردۃ و لاابابکر لھا۔

ہندوستان کی سوسالہ تاریخ سامنے رکھئے، حالات اور واقعات کے اتار چڑھاؤ آپ کے سامنے ہیں، بار بار بڑے کٹھن مرحلوں سے یہ ملت گذری ہے، گذر رہی ہے، زندہ ملتوں کی زندگی میں شکست، فتح کا زینہ ہوا کرتی ہے، شکست حوصلہ ہونا خطرناک بات ہے، ارادے بکھر جائیں، عزائم چکنا چور ہوجائیں، تو اٹھنے میں بہت دیر لگتی ہے، ماضی کو ذہن میں رکھئے پھر دیکھئے، حضرت مولانا نے جہاد کا فتوی نہیں دیا، کوئی نعرۂ مستانہ نہیں لگایا، سیرت سید احمد شہید سامنے رکھدی۔

اب سمجھئے! حضرت مولانا نے یہ بالواسطہ ترسیل کی راہ کیوں اپنائی، معاف کیجئے، میں ان سے پوچھ نہ سکا، لیکن لگتا ہے، کہ ان کی دوربین نگاہیں اور مومنانہ فراست نے محسوس کرلیا تھا، کہ جس عہد سے گزر رہے ہیں، وہ بڑی تبدیلیوں کا عہد ہے، غلامی کی طنابین کٹنے والی ہے، آزادی جمہور کا زمانہ آنے والا ہے، شکست وریخت کے بڑے مرحلوں سے اس ملک اور عالم اسلام کو گزرنا ہے، یہ تبدیلی اقتداری کی نہ ہوگی، فکر ونظر، مزاج وانداز اور قبولیت واطاعت کی بھی ہوگی، شاید انھوں نے محسوس کرلیا تھا، کہ خطرناک تبدیلیوں کا سیلاب آنے والا ہے، پوری صدی کے ہندوستانی سماج پر اچٹتی نظر ڈالئے تو لگتا ہے، قدریں بدلیں، روایتوں نے کروٹ لی، مزاج بدلا، انداز بدلا، اور تبدیلی ایسی آگئی کہ تجربہ کار نگاہیں، زیر لب کہہ رہی ہیں کہ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی، صاحبان عزیمت کنارے لگ گئے، اصحاب رخصت ارباب عظمت بن گئے، کم نظر معتبر ہوگئے اور معتبر شخصیتیں طاق نسیاں میں سجادی گئیں، ایمان ویقین کا سودا ہونے لگا، ایمانداری جیسی وصف لازم گم ہے، اچھے اچھوں کی بھیڑ میں اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے، مزاج ایسا بدلا ہے کہ ناخوب خوب ہوگیا، صراحت کبھی مایہ ناز تھی، منافقت اب طرہ امتیاز ہے، جرأت کبھی ایمان کا نشان تھا، مصلحت اب حرز جان ہے، رواداری اخلاق کا حصہ تھا، مکاری ترقی کا زینہ ہے، کبھی کبر ترفع میں جھلکتا تھا، اب کبر بانداز تواضع سامنے آتا ہے، نئے دور میں کامیابی کے عجیب عجیب نسخے ایجاد ہوگئے، قلب وقلم، نگاہ ونظر میں فرق وفاصلہ کامیابی کا نسخہ سمجھا جاتا ہے، کذب لطیف کی مناسب آموزش اور منافقت کی متناسب آمیزش کے بغیر شخصیت کی تعمیر نہیں ہوتی، جیسے خالص سونے سے زیور نہیں بنا کرتا، کچھ ''کھاد کا تعاون'' ضروری ہے، یہ تبدیلیاں محسوس ملموس حقیقتیں ہیں۔

حضرت مولانا کے فکر رسا اور نظر دوربیں نے طوفان کا احساس کرلیا تھا اور اپنے مزاج اور افتاد طبع کے مطابق اپنی راہ متعین کرلی تھی، ایک ماہر ملاح کی طرح انہوں نے طوفان سے قبل بادبانوں کی سمت درست کرلی، ساٹھ سال کے تجربہ نے بتایا، کہ وہ محفوظ بھی رہے کامیاب بھی حضرت مولانا کا یہ بالواسطہ ترسیلی طریقہ بحیثیت ''نسخہ شفا'' مزید گفتگو کا طالب ہے اور یہ طریق تبلیغ اور انداز اظہار خوابیدہ ملت کے لیے کہاں تک مؤثر ہوسکتا ہے، گفتگو کا موضوع ابھی یہ نہیں ہے، بات تو حضرت مولانا کے اسلوب دعوت اور طریق اظہار پر چل رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ان ڈائرکٹ میتھڈ (بالواسطہ ترسیل) کو راہ دیکر یکسوئی کے ساتھ کتب خانہ تیار کردیا، انہیں زبان وبیان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی، جس سے انہیں بڑی مدد ملی، انہوں نے فکر جلیل کو لباس جمیل میں پیش کیا، تو قاری کو فکر کی بلندی اور روح کی تازگی کے ساتھ زبان کی چاشنی بھی ملی!

عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ اسرارہم کے دست گرفتہ صحبت یافتہ، اور مجاز تھے، بڑے بڑوں کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے اور چراغ دل جلا کر شاہراہ حیات پر آگے بڑھتے چلے گئے، ان کا قلب احسانی تھا، دماغ ایمانی تھا اور زبان وقلم دینی، کلام پاک اور کلام رسول پاک ان کا مرجع بھی تھا محور فکر بھی، مرکز ذوق نظر بھی اور منبع علم وعرفاں بھی، اس لیے جب انہوں نے زبان کو جنبش دی، قلم کو حرکت بخشی، تو عمدہ کتاب اور دلنشیں خطاب کے پہلو میں ایمانی تصورات اور روحانی ترشحات نکھر کر سامنے آئے۔

جنہیں کلام اللہ کے اعجازی اسلوب بیان سے مناسبت ہے، جو کلام رسول اللہ کے نرالے پیرایہ اظہار وابلاغ کا ذوق رکھتے ہیں اور

دونوں کی لفظی ترتیب اور صوتی آہنگ سے آشنا ہیں، وہ حضرت مولانا کی عربی تحریروں کے منبع کو سمجھ سکتے ہیں، اور جان سکتے ہیں، کہ لہجہ کی تازگی، زبان کی روانی، جملوں کی دروبست کی چستی، اور بلا کی کشش اور جاذبیت کی وجہ کیا ہے؟ اور وہ سوز دروں کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوا جو حضرت مولانا کی تحریر ہی نہیں وجود باوجود کا لازمہ رہا ہے۔

ماضی کے تیس چالیس برسوں کو دیکھتا ہوں، اس عرصہ میں ان کی اکثر وبیشتر عربی کتابوں کے پڑھنے کا موقع ملا اور ان پر سوچنے کی فرصت ملی ہے، مجھے احساس شکر کے ساتھ اعتراف نعمت ہے اور جرأت اظہار بھی، کہ میں حضرت مولانا کی عربی تحریروں سے بہت متأثر ہوں، میرا احساس ہے، کہ لال قلعہ کی عظمت، تاج محل کا حسن، قطب مینار کی بلندی، کلیوں کا بانکپن، گلوں کی نرمی، پھلوں کا رس، شہد کی مٹھاس، گنگا کا بہاؤ، کوسی کا کٹاؤ، حقیقتوں کی لہریں، ایمان کی چاشنی، یقین کی پختگی کو آب زم زم سے دھو کر لفظی آہنگ اور کاغذی پیراہن دیا جائے، تو وہ حضرت مولانا کی تحریر بن جائے گی، یہ ذخیرہ الفاظ کا بیجا استعمال نہیں، احساس کی ترجمانی ہے، ان کی تحریروں کو پڑھ جائیے، نہ جانے کتنی جگہ دامن دل کھینچ کھینچ جاتا ہے، کتنے جملے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں، وہ چھوٹے رسائل ہوں یا ضخیم کتابیں، حضرت مولانا کا بہار طرز اور سدا بہار صوتی آہنگ ہر جگہ چھایا رہتا ہے اور ذوق سلیم محسوس کرتا ہے، کہ کلام الٰہی اور کلام رسول کے سایہ میں مطالعہ کا سفر ہو رہا ہے۔

الفاظ وکلمات تو بدلے نہیں جاسکتے، مگر اس کی ترکیب وترتیب ایسی قائم کی جاسکتی ہے کہ جیسے خود کلمات کو زبان کی قوت اور ترسیل طاقت مل جائے، حضرت مولانا کے خود نوشت کتب خانہ میں ایسے انگنت جملے ڈھونڈنے والے دل کو مل سکتے ہیں" وهذه الرسالة كفيلة ان تمكنهم في الارض وتجعلهم ائمة وتجعلهم الوارثين، واسئلوا عن بدروليس ارض بدرمنكم ببعيد لم تكن صيحة في وادو نفخة في رماد" یہ اور اس طرح کے چھوٹے بڑے دل چھو لینے والے جملے ان کی تحریروں میں ویسے ہی ملتے ہیں، جیسے صاف ستھرے آسمان میں تارے ٹنکے ہوئے نظر آتے ہیں، قرآن پاک کا انداز بیان دل میں ہو، کلام رسول پاک کی ترکیب وترتیب، الفاظ وانداز حافظہ میں ہو، تو یہ جملے کان میں کچھ کہہ جاتے ہیں، بلاشبہ حضرت مولانا "بیش قیمت" تھے اور بہت خوش قسمت بھی!

انہیں ایمان کی حلاوت، یقین کی لذت، عقیدہ کی صلابت، علم کی امانت اور فکر ونظر کی وسعت ملی تھی، فراست ایمانی کی نعمت ملی تھی، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لیا اور نوجوانی میں اپنے ذوق ومزاج کے پیش نظر راہ عمل متعین کر لی، اور اس پر چلتے چلے گئے تھے، وہ اپنے اصول نگارش پر برابر قائم رہے، اور اسلامیات پر کتب خانہ تیار کر دیا۔

////☆☆☆☆☆////

﴿بقیہ صفحہ ۹ کا......امت مسلمہ کی گمشدہ طاقت﴾

کیا ہم توقع کر سکتے ہیں کہ وہ مسلم لیڈر اور کمانڈر جنہوں نے یورپ کی آغوش میں تربیت پائی ہے وہ اسلامی کشتی کے ناخدا بن سکتے ہیں اور کیا اس کشتی کو بھنور سے نکال کر نجات کے کنارے لگا سکتے ہیں؟ کیا تم کو ایسے لوگوں سے یہ توقع ہے کہ وہ سیاست کی راہوں اور مغربی نصاب تعلیم کے ذریعہ امت اسلامیہ کو اصلی اقدار وقیم سے دور نہ کر دیں گے خدا اور رسول کی محبت دلوں سے نکال نہ دیں گے اور مسلمانوں کے اندر دین کے لیے جو جذبہ کارفرما ہے اس کا خاتمہ نہ کر دیں گے؟

آج افسوس ناک بات یہ ہے کہ مادہ پرست ترقی پذیر یورپ امت مسلمہ پر فتح حاصل کرنے میں تقریبا کامیاب ہو گیا ہے اور اب وہ اس پوزیشن میں ہوتا جا رہا ہے کہ وہ خدانخواستہ ان اسلامی طاقتوں کو بھی ختم کر دے جو مسلمانوں کی کامرانی، فتح مندی اور بلندیٔ اقبال کا ذریعہ بنتی ہیں اور جن کی بدولت سنگین اور ناگفتہ بہ حالات میں قدیم مجد وشرف کی طرف واپسی ہوتی رہی ہے۔

///☆☆☆///☆☆☆////

دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب

مولانا مفتی محمد سرور فاروقی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دعوت وتبلیغ جو شعائر انبیاء ہیں جسے اللہ رب العالمین نے ختم الرسل سید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام اصول وضوابط اس طرح مرتب فرمادیئے کہ داعی ان حدود میں رہتے ہوئے اپنی دعوت کو لوگوں تک کس طرح منتقل کرے، لیکن ان حالات وکیفیات کے سمجھنے کی ذمہ داری خود داعی پر رکھی ہے، جسے اللہ رب العالمین نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" (سورة نحل ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

دعوت کے لفظی معنی ہیں بلانے کے، انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے، پھر تمام تعلیمات نبوت ورسالت اس دعوت کی تشریحات ہیں، قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص تعلیمات نبوت ورسالت اس دعوت کی تشریحات ہیں، قرآن میں رسول اللہ کی خاص صفت داعی الی اللہ ہونا اس طرح بتایا گیا ہے "وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا" (سورہ احزاب ۴۶)

"یاقَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ (احقاف)

اس لیے امت پر بھی آپ کے نقش قدم پر دعوت الی اللہ کو فرض کیا گیا ہے، سورہ آل عمران میں ارشاد ہے:

"وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران ۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کی طرف بلائے اور برے کاموں سے روکے۔

اوپر کی آیات میں داعی کو چند باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت دینے کا حکم ہے۔

۱- سب سے پہلے اللہ تعالی نے خاص صفت رب اور پھر نبی کریم کی طرف سے اضافت میں اشارہ ہے کہ دعوت کا کام صفت ربوبیت اور تربیت سے تعلق رکھتا ہے جس طرح حق تعالی شانہ نے آپ کی تربیت فرمائی، آپ کو بھی اسی تربیت کے انداز سے دعوت دینا چاہئے، جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت کر کے وہ طرز اختیار کیا جائے کہ مخاطب پر بار نہ ہو اور اس کی تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو، خود لفظ دعوت بھی اس مفہوم کو ادا کرتا ہے، کہ پیغمبر اسلام کا کام صرف اللہ تعالی کے احکام پہونچا دینا اور سنا دینا ہی نہیں؛ بلکہ لوگوں کو ان کی تکمیل پر کھڑا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو دعوت دینے والا اس کے ساتھ ایسا خطاب نہیں کیا کرتا، جس سے مخاطب کو وحشت ونفرت ہو، یا جس میں اس کے ساتھ استہزاء وتمسخر کیا گیا ہو۔

۲- دوسری بات دعوت میں حکمت کی تعلیم ہے، حکمت کا لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے، یہاں پر بعض نے قرآن مجید بعض نے قرآن وسنت اور حجت قطعیہ کو قرار دیا ہے، اور روح المعانی میں بحوالہ بحرالمحیط حکمت کی تفسیر یہ ہے۔

"اِنَّھا الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع" (روح المعانی)

روح البیان میں بھی کہا گیا ہے کہ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان مقتضیات احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے، وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے، جہاں یہ سمجھے کہ صراحتاً کہنے میں

مخاطب کو شرمندگی ہوگی وہاں اشارے سے کلام کرے یا ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو شرمندگی نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں اپنے خیال پر جمنے کی ضد پیدا ہو۔

۳- تیسری بات موعظہ اور وعظ جس کے معنی کسی خیر خواہی کی بات کو اس طرح کہا جائے کہ اس مخاطب کا دل قبولیت کے لیے نرم ہو جائے، مثلاً ترغیب وترہیب سے کام لیا جائے اور اس کے قبولیت کے فوائد اور عدم قبولیت کے مفاسد کا ذکر ہو۔

۴- چوتھی بات اس آیت میں یہ فرمائی گئی ''جادل'' یعنی بحث ومناظرہ کہ اگر دعوت میں کہیں بحث ومناظرہ کی ضرورت پیش آجائے تو وہ مباحثہ بھی اچھی طرح ہونا چاہئے، روح المعانی میں ہے کہ اچھے طریقے سے مراد گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے اور دلائل ایسے پیش کیے جائیں جسے مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں وہ مقدمات پیش کیے جائیں جو مشہور ومعروف ہوں تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور وہ ہٹ دھرمی کے راستے پر نہ پڑ جائے، احسان فی المجادلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، اہل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ قرآن کا ارشاہے "وَلَا تُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" دوسری آیت میں حضرت موسیٰ وہارون کو "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَيِّنًا" کی ہدایت دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ فرعون جیسے سرکش کافر کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا چاہئے۔

اوپر کے مضمون میں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے کہ مجادلۃ فی العلم دراصل دعوت الی اللہ کا رکن یا شرط نہیں؛ بلکہ طریق دعوت میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق ایک ہدایت ہے، دوسری بات ان آیات کے ذریعہ مخاطبین کی تین قسمیں بھی تقریباً متعین ہوجاتی ہیں، ایک دعوت بالحکمۃ اہل علم کے لیے، دوسرے دعوت بالموعظۃ عوام کے لیے اور تیسرے مجادلہ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں، یا عناد وہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

اس طرح دعوت وتبلیغ جو اس امت محمدیہ کا خاص امتیاز ہے، اس کے انداز گفتگو کے بعد میں سب سے پہلے اپنے مشفق ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے جملوں کو نقل کرنا بہتر سمجھتا ہوں، جس کو حضرت مولانا مدظلہ اکثر وبیشتر فرمایا کرتے تھے'' کہ قرآن میں اللہ تعالی نے دعوت کے اصولوں کو قانون وضابطہ کی زبان میں بیان نہیں کیا اور ایسا نہ کرنا قرین مصلحت اور مقتضائے حکمت تھا، دعوت وتبلیغ کا انداز ماحول اور گردوپیش کے حالات، مخاطبین کے طبائع اور دین کے مصالح کے مطابق متعین ہوتا ہے، چوں کہ دعوت کو صورت حال کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور صورت حال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اس لیے دعوت کے کام میں ''حاضر کلامی'' اور ''حاضر دماغی'' دونوں کی ضرورت ہے، مزید یہ کہ دعوت پیش کرنے والوں کو انسانی نفسیات سے گہری واقفیت اور اس کی دکھتی رگوں اور سوسائٹی کے کمزور پہلوؤں پر انگلی رکھ کر بتانا ہوتا ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مبلغ کو یہ بات کرنی چاہئے یہ نہیں کرنی چاہئے اور یہ کام کرنا چاہئے اور یہ نہیں کرنا چاہئے، اس کو ایسا اسلوب اختیار کرنا چاہئے اور لوگوں کے سامنے دعوت کو اس طرح پیش کرنا چاہئے اور اس کے صرف یہی حدود وضوابط ہیں...... کیونکہ ہر بدلتے ہوئے معاشرے اور تبدیل شدہ صورت حال سے اس کو نمٹنا ہوتا ہے، اگر اس کو قوانین اور ضوابط میں جکڑ دیا جائے تو وہی حال ہوگا جو ایک صاحب کو اپنے ملازم کے ساتھ پیش آیا تھا، جو ایک لطیفہ میں بیان کیا جاتا ہے'' کہ کسی صاحب نے ایک ملازم رکھا، ملازم ضرورت سے زیادہ ''قانونی'' واقع ہوا تھا، اس نے مطالبہ کیا کہ مجھے میرے فرائض نوٹ کرا دیجئے، چنانچہ ایک فہرست تیار ہوئی کہ فلاں وقت بازار سے سودا لانا ہے، فلاں وقت گھر صاف کرنا ہے، فلاں وقت یہ کام کرنا ہے، فلاں وقت وہ کرنا ہے، خدا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بار وہ صاحب جنھوں نے ملازم رکھا تھا گھوڑے پر سوار تھے وہ اس پر سے اترنا چاہ رہے تھے، کہ پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور ان کی جان پر آگئی اب گھوڑا بھاگ رہا ہے اور یہ گھسٹتے ہوئے جارہے ہیں، اسی حال میں ملازم پر نظر پڑی چیخ کر آواز دی کہ جلدی آؤ اور میری جان بچاؤ ملازم نے کہا، ذرا ٹھہریئے میں اپنی فہرست میں دیکھ

لوں کہ آیا یہ خدمت بھی میرے فرائض میں ہے یا نہیں، اس وقت جب کہ آقا کی جان جارہی ہے اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں ہے ملازم نے اپنے اصول وضوابط پر عمل کیا اور آقا اسی ضابطہ پرستی کی نذر ہوگئے اور ملازم ان کے کچھ کام نہ آیا''۔

اوپر کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا کوئی خاص ایک ہی اسلوب نہیں ہوسکتا جس کو چند جملوں میں مرتب کردیا جائے ، بلکہ دعوت پیش کرتے وقت اللہ تعالی خود ہی رہنمائی فرماتا ہے، اس کے کچھ مکانی وزمانی حدود ضرور ہیں؛ لیکن یہ بھی انتہائی وسیع، اس لیے داعی کو کبھی طرز یوسفی اپنانا ہوتا ہے تو کبھی طرز ابراہیمی تو کبھی اسلوب موسوی جس کا سیرت محمدیؐ خلاصہ ہے، اللہ تعالی بندوں سے ارشاد فرماتا ہے۔

اوصاف داعی:

''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ اِنَّنِیُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حم سجدہ ۴۱) ''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے، جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں''۔

اوپر کی آیت میں اللہ تعالی نے داعیوں کی فضیلت اور ان کی صفات کی طرف متوجہ فرمایا ہے جو دعوت کا لازمی جزء ہے، کہ اگر ہم دل سے کسی بات کی تصدیق نہیں کرتے اور زبان سے خوب کہتے ہیں تو اس کے اثرات بھی ویسے ہی مرتب ہوتے ہیں، اس لیے کہ جب ہمارے دل ودماغ کی گہرائی تک کوئی بات نہیں اتری، اگر اتری ہوتی تو اس کا نتیجہ عمل ہوتا اس لیے کہ دل ودماغ میں اترنے والی بات کا اظہار عمل سے ہوتا ہے۔

اس لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں اور ان کے نام لیواؤں اور اپنے آپ کو محمد عربی کی فوج کے سپاہی کہنے والوں کو توحید ورسالت کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر طاغوتی طاقتوں کے پنجوں کو موڑنے کے لیے محبت وہمدردی کے جام میں خالص، صاف وشفاف توحید کی شراب میں رسالت کی مٹھاس اور اس اخلاص کی خوشبو گھول کر معاشرت کے پاکیزہ ماحول کے ذریعہ کرنی ہوگی، جس سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ومقدس روح کو مسرت اور اللہ رب العالمین کو راضی کرکے ہم جام کوثر حاصل کرتے ہوئے جنت الفردوس کی منزلیں طے کرسکیں گے، شاعر نے اپنی زبان سے اس مقصد کو کیا ہی خوب کہا ہے ع

ہستی کو مٹا گر چاہتا ہے ایوان جہاں میں نام چلے
تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے

اس لیے ضرورت ہے ان غیرت مند اور محبان انبیاء کی اور ایسے پرعزم اور پرحوصلہ نوجوانوں کی جن کا زمانہ صدیوں سے منتظر ہے، وہ نوجوان جو اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر ایسے بھیانک جنگل میں جس میں حسد ونفرت اور بغض وعداوت کی مسموم آندھیاں چل رہی ہیں، جو انسانیت کے چراغ کو گل کرنے پر تلی ہوئی ہیں، ایسے خوفناک جنگل میں جس میں انسان نما درندے اور آدم زاد کو پھاڑ کھانے والے جانور سانس لے رہے ہیں، قدم قدم پر رہزن وقاتل معصوم انسانیت کے خون کے پیاسے گھات لگائے بیٹھے ہیں، کہ کب انسانیت ادھر سے گزرے اور وہ اپنے زہر میں بجھے ہوئے تیروں اور دھاردار خنجروں کو اس کے سینے میں اتار کر دم لیں، تعصب وفرقہ پرستی کے کانٹوں سے بھری جھاڑ دار جھاڑیوں سے بچتے ہوئے توحید ورسالت، آخرت اور پیام انسانیت ورحمت کے روشن چراغوں کو لے کر اس خوفناک اور بھیانک ترین جنگل میں محبت وبھائی چارگی کے بجھے ہوئے چراغوں کو روشن اور منور کردیں اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰه کے شیریں نغموں سے اس خاموش اور پرسکون جنگل کی فضاؤں کو معمور وسرفراز کردیں اور اس کی مسموم فضاؤں کو رسالت کی خوشبو سے بدل دیں۔

اور اس حسین منظر کو قائم کرنے میں کوئی روڑا یا رکاوٹ آئے تو اس کو عافیت سے دور کرتے ہوئے حق کے پرچم کو لہرادیں ورنہ ڈر ہے کہ کہیں قرآن پاک کی اس آیت کا مصداق نہ ہوجائیں۔

"وَاِنْ تَتَوَلَّوْ لَیَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَایَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ" اور اگر تم لوگ روگردانی کرتے رہو گے تو اللہ تعالی تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ ☆☆☆

شخصیات

مولانا ابوسعید محمد یاور حسینؒ اوران کی علمی خدمات

پروفیسر بدرالدین الحافظ، جامعہ نگر نئی دہلی

مولانا ابوسعید محمد یاور حسینؒ (متوفی ۱۹۴۱ء) کے حالات زندگی نظر سے گزرے تو معاً مرزا غالب کا یہ مصرعہ ذہن میں آیا: ع

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

گذشتہ بیسویں صدی میں صوبہ یوپی کے چھوٹے سے قصبہ گوپامئو میں آپ کے علمی اوراصلاحی کارناموں کا ظہور ہوا، سینکڑوں طلباء وعلماء اورعوام نے آپ سے کسب فیض کیا، مگران کی شخصیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

ابھی چند ماہ قبل علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے فاضل استاذ ڈاکٹر صلاح الدین عمری نے آپ کے حالات پر ''تذکرۂ ابوسعید'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اسی شعبہ سے شائع ہوئی ہے۔

مولانا کی ابتدائی زندگی نہایت مفلسی اورغربت میں گذری والد بزرگوار ابوالفلاح محمد عاشق حسین فاروقی متوفی ۸؍شوال ۱۳۰۴ھ کا تین سال کی عمر میں وصال ہوگیا تھا، اس کے بعد والدہ محترمہ اپنے تین بچوں ناظر حسین، یاور حسین اور ایک دختر کو لے کر دادی کے پاس آگئیں جن کی ماہانہ آمدنی ایک وظیفہ کے ذریعہ صرف پانچ روپئے ماہانہ تھی، جس سے ان پانچ افراد کا گزربسر ہوا کرتی تھی، اس قلیل آمدنی کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس خاندان کی گزراوقات کس پریشان حالی میں ہوتی ہوگی۔

مگر اس تنگی اورعسرت میں پرورش پا کر یہ یتیم مفلوک الحال بچہ خاندان، قصبہ اوراطراف وجوانب کے لیے ستارہ علم وعرفان ثابت ہوا، بلکہ اس پورے علاقہ میں آج جو بھی سرگرمیاں اورعلمی نشاط ہے، وہ سب کا سب حضرت مولانا یاور حسینؒ عمری گوپامئوی کے اخلاص اورللّٰہیت کا فیض ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ کے ایک بزرگ استاذ حافظ غلام احمد (م ۱۳۲۱ھ) اوراس کے بعد صوفی نور محمد صاحب پنجابی سے حاصل کی اس مرحلہ میں آپ نے میزان الصرف سے لے کر کنزالدقائق تک درس نظامی کی کتابیں پڑھیں، اورعدم استطاعت کے سبب مولانا اکثر کتابیں ہاتھ سے لکھ لکھ کر پڑھتے تھے، اوراتفاق سے اگر کسی سے قلمی یا مطبوعہ نسخہ مل جاتا تو اللہ تعالی کا بے پایاں شکرادا کرتے، مدرسہ سے کتابیں ملنے کا اس زمانہ میں دستورنہیں تھا، اس مدرسہ میں بہت سے اساتذہ تبدیل ہوکرآتے رہے، مگر مولانا کی تعلیم وترقی میں کوئی فرق نہیں آیا اورسلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ آپ کے چچانواب محمد صادق حسین صاحب نے اپنے بیٹے اقبال حسین اورمولانا یاور حسین صاحب کو قصبہ گوپامئو سے باہر مدرسہ جامع العلوم کان پور میں داخل کرادیا، یہاں کئی باصلاحیت اساتذہ کے درس میں آپ نے ہدایہ آخرین مطول اوردیوان متنبّی کی تعلیم حاصل کی، ایک ہی سال بعد آپ نے اپنے چچازاد بھائی اقبال حسین صاحب کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا، اس طرح گویا مولانا کی دلی مراد برآئی جس کا وہ تذکرہ اکثر اپنی والدہ محترمہ سے کیا کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں آپ نے دو برس گزارے اوراس دوران جن اساتذہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر استفادہ کا موقع ملا ان میں سے حضرت مولانا محمد محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ،

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں، دیوبند میں قیام کے دوران آپ نے انجمن الارشاد کے نام سے تحریر وتقریر کی ایک انجمن بھی قائم کی تھی، جس کی رکنیت کا چندہ ایک آنہ ماہانہ مقرر تھا، اس کا جلسہ ہمیشہ بعد نماز جمعہ نودرہ میں منعقد ہوا کرتا تھا اور صدر جلسہ علماء دین یا مدرسین میں سے کسی کو بنالیا جاتا تھا، اس انجمن کے مشاغل سے طلباء کی تحریری، وتقریری، صلاحیتوں کو ابھارنے اور پختہ کرنے میں بڑی مدد ملتی تھی۔

دوسال کی تعلیم کے بعد مولانا تحریر فرماتے ہیں: ۱۳۲۴ھ میں امتحان میں کامیابی کے بعد دارالعلوم کی جانب سے نتیجہ امتحان کے ساتھ تین کتابیں فیض القاموس، قیام اللیل اور امتحانات السنۃ بذریعہ ڈاک بطور انعام مجھے موصول ہوئیں، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے پانچویں جلسہ دستار بندی میں آپ کو مدعو کیا گیا جو ۶/۷/۸/ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۷/۱۸/۱۹ھ اپریل ۱۹۱۰ء کو منعقد ہوا تھا، اس جلسہ میں دستار بندی کی خدمت انجام دیتے ہوئے مولانا احمد حسین امروہوی صاحب نے فرمایا ماشاء اللہ بختاور معلوم ہوتے ہیں، مولانا نے ان الفاظ کو حرز بنالیا اور فرمایا یہ کلمات میرے لیے دستار فضیلت سے کم نہیں۔

طب کی تعلیم اور حفظ کلام اللہ:

۱۳۲۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ کو طبابت کی تعلیم کا شوق ہوا تو کچھ دنوں مدرسہ طبیہ دہلی (قائم کردہ حکیم اجمل خان جو اب طبیہ کالج کے نام سے چل رہا ہے) میں تعلیم حاصل کی، لکھنؤ کے مشہور حکماء میں مولانا حکیم سید عبدالحئی رائے بریلوی، حکیم باقر حسین اور حکیم مہدی حسن صاحب کے پاس تعلیم حاصل کر کے حکیم سید عبدالحئی کے مطب سے عملی تربیت کے بعد سند طبابت حاصل کی، اس کے بعد اچھی خاصی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا تو اسے بھی پورا کیا اور کلام پاک حفظ کر کے ۱۳۲۸ھ میں پہلی محراب سنائی اور چھ سال تک برابر سناتے رہے۔

اس علمی شوق طبابت اور ریاضت وعبادت کے ساتھ اب آپ نے اپنے وطن گوپامئو کے قدیم مدرسہ کو از سر نو منظم کرنے کا ارادہ فرمایا جو اپنی زبوں حالی کے بعد ختم ہوجانے کے قریب تھا، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جب آپ نے بستی کے لوگوں کی لاپرواہی؛ بلکہ نفرت دیکھی تو ایک طرف وعظ ونصیحت کے ذریعہ توجہ دلانے کی کوشش کی اور دوسری طرف بچوں میں شوق پیدا کرنے کے لیے ایک پیسہ یومیہ یا ۸/آنہ ماہوار فی طالب علم وظیفہ دینے کا اعلان کیا، میرے خیال میں ایک سو سال پہلے ایک پیسہ یومیہ کا جیب خرچ کچھ کم نہ تھا، جب کہ ایک پیسے کی ۳/پائی اور دو دھیلے ہوا کرتے تھے، اس میں بھنا چنا گڑ ستو یا موسم کا پھل اتنا خریدا جاسکتا تھا کہ ایک بچہ کے ناشتہ کے لیے کافی ہوجائے۔

اسی طرح مولانا کے خلوص اور بے مثال کوشش سے مدرسہ دن دونی ترقی کرنے لگا، یہاں تک کہ ۱۳۳۶ھ میں اس مدرسہ سے تقریباً ۲۵/طلباء بنیادی تعلیم سے فارغ ہوکر دوسرے اسلامی مدارس میں چلے گئے، یا بعض طلباء کو مدرسہ کی طرف سے مدرسہ فرقانیہ، مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے لیے بھیجا گیا۔

جہاں تک نصاب تعلیم کا تعلق ہے ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے دینی مدارس اپنے یہاں انگریزی پڑھوانے سے گریز کررہے ہیں؛ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ مدرسہ کی چہاردیواری سے نکل کر ہر فارغ التحصیل عالم اپنی لازمی ضروریات پوری کرنے میں، ہندی، انگریزی کی لاعلمی کی وجہ سے خود کو مجبور ومحتاج پاتا ہے، اور دوسروں سے مدد کا طالب ہوتا ہے، اس کے بالمقابل اب سے سوسال بیشتر مولانا یاور حسین نے اپنی وسیع النظری کا مظاہر کرتے ہوئے مدرسہ کے اغراض ومقاصد میں علوم عربیہ واسلامیہ کے علاوہ صنعت وحرفت کی تعلیم وتربیت اور انگریزی، پشتو، سنسکرت، ترکی، روسی، جرمنی کو بھی شامل رکھا تھا اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:

''نیز لیاقت کے لیے عربی وفارسی کے اس مدرسہ میں دیگر وہ زبانیں بھی سکھائی جائیں گی۔ ﴿بقیہ صفحہ ۲۳ پر.........﴾

اقبالیات

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی

محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف پٹنہ

اس مضمون کا عنوان اقبال کے مجموعہ کلام ''بانگ درا'' کی نظم ''فردوس میں ایک مکالمہ'' کے درج ذیل شعر کا ایک مصرعہ ہے، جو شعر کہ قرآن کی روشنی میں، موضوع گفتگو ہے۔ ؎

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے جمعیت ملت ہے اگر ساز

انہیں مضمون میں اسی مجموعہ کلام کی نظم ''مذہب'' بعد از نظم ''جنگ یرموک کا ایک واقعہ'' میں یہ شعر بھی ہے ؎

دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

اقبال نے پہلے شعر میں ہم آہنگی افراد کا صرف دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے ہی کی وجہ کر باقی ہے کا، نکتہ ذہن نشیں کرایا ہے اور تمثیلی پیرایۂ بیان میں ''جمعیت ملت'' کو ساز سے اور ''دین'' کو زخمہ سے مماثلت دی ہے، زخمہ کے لغوی معنی ہیں ساز بجانے کی چیز ''مضراب'' نقارہ کی چوٹ، ڈنکا وغیرہ، اس نکتہ پر اقبال نے درج ذیل آیات کی ترجمانی کی ہے، فرمایا گیا ہے

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو' سب مل کر اللہ کی رسی (یعنی دین) کو مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے، شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آئے۔ (آل عمران، ۱۰۲-۱۰۳)

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ' ہے (انفعال ۴۶)

اس نظم ''فردوس میں ایک مکالمہ'' میں (جو مکالمہ کہ سعدی، شیرازی اور حالی کے درمیان ہے، اقبال مسلمان نوجوان کی دین سے بیگانگی اور اس وجہ کر ان میں کفر والحاد سرایت کرنے کی وجہ آگے اس شعر میں یہ بتاتے ہیں ؎

پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

اس شعر میں ''زمزم ملت'' سے دین کی فہم اور دینی روایات کا علم مراد ہے۔

سورۃ ال عمران کی متذکرہ بالا آیات میں دین کو ''اللہ کی رسی'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور سورۃ البقرہ کی درج ذیل آیت ۲۵۶ کے آخری فقرہ میں اسے ''مضبوط سہارا'' کہا گیا ہے، جس سہارے کو تھامے رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، جب کہ پہلی آیت میں ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لینے کی تاکید فرمائی گئی ہے، جن دونوں سے مراد دین پر ثابت قدم رہنا ہے، فرمایا گیا ہے۔

''اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

زیر تجزیہ دوسرے شعر میں اقبال نے دامن دین کے ہاتھ سے چھوٹنے کی بات اس لیے کی ہے، چونکہ سورۃ ال عمران کی آیات میں ''اللہ کی رسی'' کو مضبوطی سے پکڑ لینے کی اور سورۃ الانفال کی آیت میں دین کے سہارے کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ☆

تحقیق نظر

حدیث شریف کی اہمیت وافادیت

مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی مدرسہ فلاح المسلمین، رائے بریلی

یہ سب کو معلوم ہے کہ حدیث شریف کا درجہ قرآن کریم کے بعد بہت اہم اور مقدم ہے اور اس کا مقام ومرتبہ حد درجہ بڑھا ہوا ہے، کیونکہ یہ قرآن کی تفسیر وتبیین ہے، حدیث شریف سے شغف اور اشتغال رکھنا خواہ پڑھنے پڑھانے کے ذریعہ ہو یا لکھنے اور مطالعہ کے ذریعہ آدمی کے لیے بڑی سعادت وخوش بختی کی چیز ہے، ایسا شخص جو حدیث سنے، یاد رکھے، پھر بے کم وکاست دوسروں تک من وعن پہونچادے، بڑا ہی خوش نصیب ہے، حتی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے اس کے لیے ہرا بھرا، تروتازہ اور شاداب رہنے کی دعا نکلی ہے، ارشاد نبوی ہے ''نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعا هاثم اداها كما سمعها'' اللہ تعالی شاداب رکھے اس شخص کو جو میری بات (حدیث) سنے، اسے یاد رکھے، پھر جوں کا توں پہونچادے۔

مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے جن بندوں کو اس سے اشتغال ہے، ان کے چہرے نورانی ہوتے ہیں، اللہ کی طرف سے تروتازگی اور شادابی نصیب ہوتی ہے اور اس سے ''وجوه يومئذٍ ناضرة'' کا مفہوم آسان ہوجاتا ہے۔

مجھ ناچیز کے لیے سعادت کی بات ہے کہ اس موضوع پر اپنی بے ربط تحریریں پیش کرکے ان بندگان خدا کے زمرے میں شامل ہوجائے، اور ان کے کسی گوشہ میں اپنا نام بھی درج ہوجائے۔

سید العلماء اور مشہور سیرت نگار نبوی علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ ''تدوین حدیث'' کے تعارف میں اپنے اشہب خامہ کو مہمیز کرتے ہوئے حدیث شریف کا تعارف اور اس کی اہمیت اس طرح اجاگر کرتے ہیں کہ ''علم القرآن'' اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے، تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے، آیات کا شان نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح وتعیین اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین، سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے، اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ اور اخلاق وعادات مبارکہ، آپ کے اقوال واعمال اور آپ کے سنن ومستحبات اور احکام وارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہونچے..................

اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے موجود وقائم ہے اور انشاء اللہ تعالی تاقیامت رہے گا'' (تدوین حدیث از تعارف)

مشہور محدث حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ اپنی کتاب ''تاریخ تدوین حدیث'' میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''قرآن کریم، دین الہی کی آخری اور مکمل کتاب ہے، جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا مبلغ اور معلم بنا کر دنیا میں مبعوث کیا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب مقدس کو اول سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا اور بخوبی سمجھایا اور خود اس کے جملہ احکام وتعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی

اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے'' (تاریخ تدوین حدیث صفحہ ۲۵)

شیخ عبدالعزیز محمد الصہیل، ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی کی کتاب ''تدبر حدیث'' کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

پوری تاریخ اسلامی میں اسلام کے علم بردار اور شرعی قانون کے دونوں سرچشمے کتاب اللہ اور سنت مطہرہ کے مابین ایک ٹھوس اور مستحکم ربط و تعلق قائم ہے، اسی وجہ سے ہر جگہ اور ہر زمانے میں مسلمانوں سے دونوں مآخذ سے وابستہ رہنے کا ایک دائمی اور ابدی مطالبہ رہا ہے، اور انہیں دونوں سرچشمہ شریعت سے اس قوم مسلم کی انفرادیت کی صحیح صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے، اور سچی تصویر سامنے آتی ہے، جس سے زندگی کی تعمیر ہوتی ہے، اور جس سے اس دنیا کی اقبال مندی وابستہ ہے'' (تدبر حدیث صفحہ ۷)

مشہور عالم دین ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری اپنی مقبول و معروف کتاب ''محدثین عظام'' میں رقمطراز ہیں:

حدیث کا بڑا حصہ متواتر نہیں ہے، مگر امت میں بلا شبہ یہ عقیدہ متواتر رہا ہے، کہ حدیث نبوی، قرآن کا بیان اور اس کی شرح ہے، پس اگر قرآن کی تشریعی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے تو اس کے بیان و شرح کی بھی تشریعی حیثیت ماننی پڑے گی۔ (محدثین عظام صفحہ ۱۲)

آگے مزید لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کے مجملات ومشکلات کی تفصیل اور عملی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر نہیں ہوسکتی، کیونکہ آپ مراد الٰہی کے مبین یعنی بیان کرنے والے ہیں'' (ایضا)

مسلمانوں کا یہ خصوصی امتیاز اور انہیں کا مخصوص حصہ ہے، جو کسی دوسری قوم کے ہاتھ نہ لگا، کہ انہوں نے آغاز اسلام سے قرآن پاک کے بعد اس علم کو اپنے سینوں سے لگایا اور اپنی پوری محنت، قابلیت اور اخلاص وعقیدت کیساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات واسناد کی حفاظت کی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی۔

درحقیقت قرآن وحدیث ایسے مضبوط ومحفوظ قلعوں کے مانند ہیں کہ اگر اس میں کوئی پناہ گزیں ہوجائے تو گردش ایام، حوادث زمانہ ادیان ومذاہب باطلہ کے انقلاب کی خواہ کیسی ہی تیز وتند آندھی کیوں نہ چلے، زمانہ کا رخ اور لوگوں کا میلان ورجحان کسی دوسری طرف ہی کیوں نہ ہو، لیکن کیا مجال ہے کہ اس محصون (قلعہ بند) شخص کو کوئی طاقت ہلا کر اس کو اس کی جگہ سے ٹس سے مس کرسکے اور اس کے ایمان کو کمزور کرسکے، ذرا آقائے نامدار، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے اور آب تسنیم سے دھلے ہوئے یہ سنہرے الفاظ تو پڑھئے "إني تركت فيكم أمرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله (رواه المؤطا مرسلاً)

اس حدیث سے یہ بات عیاں ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن پاک اور سنت رسول (حدیث) دونوں قیامت تک مسلمانوں کے پاس ہدایت کا سرچشمہ رہیں گے، ان کو جو بھی مضبوطی سے تھامے رکھے گا وہ کبھی بھی گمراہ نہ ہوگا اور نہ ہوسکتا ہے۔

احادیث کا یہ مجموعہ اور ذخیرہ جو ہمارے کتب خانوں میں موجود ہے اور ہم تک نسلاً بعد نسلٍ اور جیلا بعد جیلٍ سینوں سے منتقل ہوکر سفینوں کی شکل میں پہونچا ہے، جس کی شاید ہمیں اتنی قدر نہیں ہے، جتنی کہ محدثین کرام کے دلوں میں تھی اور ہمارا تعلق اس کے ساتھ کمزور ہوتا جارہا ہے اور ہمیں اس سے شغف جتنا ہونا چاہئے اتنا نہیں ہے، کیونکہ پورا ذخیرہ ہمیں گھر بیٹھے بٹھائے مل گیا، محنت ومشقت نہیں کرنی پڑی، اس کی اہمیت اور قدر ان محدثین سے پوچھئے، جنھوں نے ایک حدیث کی تلاش میں ہزاز ہا ہزار میل کا سفر پیادہ پا کیا اور اس راہ میں اتنی مشقتیں اور کلفتیں جھیلیں اور اتنے پاپڑ بیلے کہ اپنی راحت وآرام، کھانے، پینے تک کو تج دیا اور ہر چیز قربان کردی، بسا اوقات زیادہ چلنے کی وجہ سے پیشاب میں خون تک آجاتا۔

یہ ایک مسلم قاعدہ ہے جس کا اعتراف تقریباً سبھی کو ہے کہ جس کام میں یا جس چیز میں آدمی کا خون پسینہ لگتا ہے، اس کی وقعت اور قدر

وقیمت اس کے دل میں ہوتی ہے،خواہ فی نفسہ وہ کتنی ہی بری اور گھٹیا چیز ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے برعکس جس چیز میں خون پسینہ نہیں لگتا، اس کی وقعت، اہمیت اورافادیت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہے،خواہ وہ کتنا ہی نایاب لعل وگوہراور کتنا ہی قیمتی موتی وجوہر کیوں نہ ہو۔

آیئے! ہم آپ حضرات کواس میں سب سے بڑا کارنامہ انجام دینے والے عشق وسرمستی میں مخمور آپ کے ان متبعین کا نظارہ کرائیں جنہوں نے اس دین کی آبیاری اپنے مال ودولت سے نہیں، اپنے پسینوں سے نہیں، بلکہ اپنے خون کے قطروں سے کی ہے، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ بہادر شیروں نے اپنی جانوں تک کی پرواہ نہ کی؛ بلکہ بے دریغ اس دین کی خاطر اللہ کی راہ میں اپنے سروں کواپنے تن سے جدا کرایااور سولی کے پھندے کو بوسہ دیا، جان دینا گوارہ کرلیا لیکن آن دینا پسند نہ کیا، کیونکہ دین کے ان دیوانوں اور شمع نبوت کے ان پروانوں کو جان دینے میں ہی قرار وسکون ملتا تھا، ایسے عشق نبی میں سرگرداں عاشقوں سے اس کی قیمت پوچھئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ حدیث کی قیمت اوراہمیت کیا ہے، اللہ عشق کے ان متوالوں کوان کے شایان شان بدلہ دے اورامت کی طرف سے بہترین صلہ دے۔

ان کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اوران کے دلوں میں آپ کی اتباع کا جذبہ کیسا تھا؟اس سلسلہ میں پیش ہے'' گاڈ فرے ہگنس'' کی بات، وہ کہتا ہے''عیسائی اس کو یادرکھیں تواچھا ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے آپ کے پیروؤں میں وہ نشہ پیدا کردیا تھا جس کو (حضرت) عیسی علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے اور میں کہتا ہوں کہ عیسائی ہی نہیں؛ بلکہ دنیا کو چاہئے کہ یہ یادرکھے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس سے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جاسکتی ہے۔(تدوین حدیث صفحہ ۱۹)

محدثین کرام نوراللہ مرقدہم نے ایک ایک حدیث کے حصول کے لیے جتنی مشقتیں جھیلیں ہیں جتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں اوراس کے لیے جتنی تگ ودو کی ہے ہم اور آپ اس کا اندازہ نہیں کرسکتے، واقفیت حاصل کرنے کے لیے حضرت اسحاق ابن راہویہ، امام زہری، امام بخاری، امام مسلم، ابوزرعہ، سعید بن المسیب، امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین وغیرہم کے حالات وسیرت کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس خود اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں صحابی کے پاس کوئی حدیث ہے جو مجھ تک نہیں پہونچی ہے، تو میں قیلولہ کے وقت ان کے دروازے پر حاضری دیتا اور ان کی چوکھٹ پر اپنی چادر کو تکیہ بنائے پڑا رہتا، ہوا چلنے سے میرے جسم پر گرد وغبار جم جاتا تھا، اگر میں چاہتا تو اجازت طلب کرلیتا اور وہ اجازت بھی دے دیتے، لیکن دستک دے کر باہر بلانے اور آرام میں خلل ڈالنے کو مناسب نہ سمجھ کران کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا، جب وہ نکلتے تب میں ان سے دریافت کرتا۔

امام مالک راوی ہیں کہ حضرت سعید بن المسیب فرماتے تھے" إني كنت لأسير الليالي والأيام في طلب الحديث " میں حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اورکئی کئی رات مسلسل چلتا رہا ہوں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری نے بھی حدیث کی تلاش میں ہزاروں میل کا سفر طے کیا ہے، محدثین عظام نے ایک ایک حدیث کی خوب خوب چھان بین کی ہے، حتی کی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیا ہے اور صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع روایات واحادیث کی صراحت کردی ہے اور مقبول وغیر مقبول کا ایک معیار متعین فرمادیا ہے۔

اسی تفتیش کے نتیجہ میں''اسماء الرجال'' کے نام سے مستقل ایک فن ہی وجود میں آگیا، جس کے ہوتے ہوئے کسی حدیث کے متعلق لب کشائی اور انگشت نمائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی، حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب" الإصابة في أحوال الصحابة " کے انگریزی مقدمہ میں ڈاکٹر اشپرنگر (Dr.Sprenger) اسماء الرجال کے سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں: کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری ہے اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا

ہو،جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے ۔
(تدوین حدیث صفحہ ۲۷)

آج جو شر پسند نادان احادیث کا نام سن کر ہنستے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب محض خبر اور روایت پر ہم کیوں یقین کرلیں؟ تو ان سفہاء کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اعتراض نہ عقلی لحاظ سے صحیح ہے اور نہ ہی نقلی اعتبار سے قابل التفاف اور لائق توجہ ہے، کیونکہ لوگوں نے ان کو جب یہ خبر دی کہ فلاں شخص تمہارا باپ ہے اور فلاں عورت تمہاری ماں ہے اور تم ان کے بیٹے ہو تو صرف خبر پر یقین کرکے انہوں نے ماں اور باپ کیوں مان لیا؟ آج کل ہم کثرت کے ساتھ امریکہ، برطانیہ اور روس وغیرہ کا نام سنتے ہیں لیکن ہماری اکثریت نے محض سن کر ہی یقین کیا ہے کہ یہ مما لک کرۂ ارض پر موجود ہیں اور جس نے بھی یہ خبر دی ہے صحیح دی ہے، حالانکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں ہے۔

وید جو ہندوؤں کی مقدس اور آسمانی کتاب سمجھی جاتی ہے، پہلے ان کے برہمنوں، پنڈتوں میں اس کے حفظ کا رواج تھا لیکن جب آہستہ آہستہ یہ چیز ختم ہونے لگی تو کشمیر کے ایک پنڈت نے وید کے اشلوکوں کو قلمبند کیا، انہوں نے اس پر اشکال کیوں نہیں کیا؟ کیا حدیث ہی بے چاری اتنی کمزور ہے جس پر یہ ظلم کیا جارہا ہے، اور اس پر اعتراض، اپنا پیدائشی حق سمجھا جاتا ہے؟

کیا نبی کا اسوۂ حسنہ جو مسلمانوں کی زندگی کے لیے شمع ہدایت اور مشعل راہ ہے اسے بجھانے اور گل کردینے کی یہ سوچی سمجھی اسکیم اور دانستہ سازش نہیں ہے؟ ع

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

آخر اس طرح کے لچر اور بودے اعتراضات حدیث شریف پر کیوں کئے جاتے ہیں؟ جب کہ اس کے حفظ اور لکھنے کا رواج عہد نبوی سے ہی چلا آرہا ہے، غلط روایت کرنے اور اس کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے والے کے حق میں حضور نے صاف اور واضح لفظوں میں وعید فرمائی ہے "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار" کہ جو شخص میری طرف جھوٹ باتیں منسوب کرے اور غلط بیانی سے کام لے اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

اس لرزہ براندام کردینے والی حدیث کو سن لینے کے بعد کون ایسا بدبخت ہوگا جو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا پسند کرے، منکرین حدیث اور اہل قرآن کے لیے یہ لمحۂ فکر یہ اور دعوت فکر وعمل ہے، جو حدیث کا انکار کرکے قرآن سے براہ راست مطالب ومعانی نکالتے ہیں، بلاشبہ یہ گمراہ فرقہ ہے، کیونکہ بغیر حدیث کا سہارا لیے ہوئے قرآن نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی حجیت مسلم ومدلل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جو صحابہ کرام میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے صحابی ہیں) کا تو معمول بن گیا تھا کہ جب بھی کوئی حدیث بیان فرماتے تو سب سے پہلے مذکورہ بالا حدیث بیان فرماتے، تاکہ لوگ یقین کریں۔

حیرت ہے! پوری امت احادیث کو تو تسلیم کرے اور یہ معاندین ومنکرین کہیں کہ ہم سے غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے؟

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ احادیث کی حجیت قرآن کریم سے ثابت ہے، بطور مثال چند آیتیں پیش کی جارہی ہیں: "وما ینطق عن الھوی إن ھو إلا وحی یوحی" کہ رسول جو بھی بیان کرتا ہے وہ اپنی خواہش اور مرضی سے بیان نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا" رسول جن باتوں کا حکم دے اسے کرو اور جن باتوں سے منع کردے ان سے رک جاؤ۔

تیسری جگہ ارشاد ہوا "وأنزلنا إلیك الذکر لتبین للناس مانزل إلیھم" ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں سے اس کی وضاحت کردیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا، بعض لوگوں نے آیت کریمہ "وانا له لحافظون" سے بھی حدیث کی حجیت پر استدلال کیا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

لاتزال طائفة من أمتي قوامةعلى الله لايضرها من خالفها" دوسری روایت میں ارشاد ہے" لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حتى تقوم الساعة" (رواه الحاكم) میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر اور اللہ کے حکم پر ڈرتا رہے گا کسی کی مخالفت اس کے لیے مضرت رساں نہ ہوگی۔

ان سارے دلائل کے باوجود بھی اگر کم عقلوں کی سمجھ میں نہ آئے تو اس کے سوا انہیں مشورہ ہی کیا دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی عقلی فتور اور قصور کا علاج کرائیں۔

سمجھنے والے خواہ کچھ بھی سمجھیں؛ لیکن مجھے تو ان استخفافی مسکراہٹوں اور استہزائی غل غپاڑوں کے پیچھے سبک مغزی، تنگ نظری کے سوا اور کوئی دوسری چیز کارفرما نظر نہیں آتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیثوں کی بہت اہمیت ہے اگر احادیث کا ذخیرہ نہ ہوتا تو بہت سی چیزوں کا علم نہ ہوتا، مثلاً ہم صحیح طور سے نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، کیونکہ ہم کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ دن میں کتنی نمازیں فرض ہیں، ان کے اوقات کیا ہیں، ایک وقت میں کتنی رکعتیں فرض ہیں، کن کن چیزوں کا نماز میں پڑھنا ضروری ہے، کن کن چیزوں کے چھوڑ دینے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اسی طرح روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کے احکام وتفصیلات ہم کو احادیث ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ چند سطریں سپرد قرطاس کی گئیں جو بروقت نوک قلم پر آ گئیں اللہ تعالی ہم سب کو قرآن وحدیث سے محبت وتعلق اور شغف واشتغال رکھنے والا بنائے اور مرتے دم تک ان دونوں کے مطابق عمل کی توفیق سے نوازے اور حرز جاں بنائے رکھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین) ☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۱۷ کا......﴾ جن کو سکھانے والے اکثر مسلمان ہیں یا جن سے کہ مناظرہ وغیرہ میں مدد ملنے کی امید ہو اور کوشش یہ کی جائے گی کہ جس زبان کی جو کتابیں پڑھائی جائیں گی اس کا مضمون دینیاتی کتابوں کا ہو، ماسوا اس کے بقدر ضرورت ریاضی بھی پڑھائی جائے گی۔

اس مدرسہ کی تعلیمی مدت سات سالہ تھی، اس کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں کہ ان سات سالوں کی تعلیم کے بعد یہاں کا فارغ التحصیل طالب علم، عالم دین، کے علاوہ، کئی زبانوں کا عالم، طبیب، صناع، تقریر وتحریر کا جامع ہوگا۔

اس کے علاوہ مولانا نے نہایت وسیع درجے کی تصنیفی وتالیفی خدمات بھی انجام دیں اور مختلف مسائل پر جامع رسائل تحریر فرمائے انہی میں سے ایک تالیف ''تذکرہ ابوسعید معہ ضمیمہ مسمی بہ کرشمۂ عنایات لم یزلی'' ہے، ہم نے اس مقالہ کا مواد اسی سے حاصل کیا ہے، مولانا کی تالیفات میں بعض عنوانات بڑے دلچسپ اور مفید نظر آئے، مثلاً سر اور اس کے متعلقات، یہ عنوان آپ نے اپنے اس خیال کے تحت قائم کیا کہ سرتاپا انسان کے جس جس عضو سے جو گناہ سرزد ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے، اس کی ایک فہرست بنادی جائے تاکہ بڑی کتابوں کی زحمت سے بچا جاسکے، اس عنوان کے تحت مولانا نے سر اور اس کے بالوں سے متعلق جملہ مسائل بیان کردئے ہیں، مثلاً پورے سر کا مسح کرنے کو ہمیشہ ترک کردینا گناہ ہے، سر پر چوٹی رکھنا بالوں کو پراگندہ رکھنا اور انسانی بالوں کو کام میں لانے کی ممانعت ہے، اسی طرح غیر خدا کے لیے تعظیماً سجدہ کرنا یا سر جھکانا حرام ہے، اسی طرح ہاتھ اور قلب کو موضوع بنا کر اس سے متعلق گناہوں سے بچنے اور اچھے کام کرنے کے مسائل لکھے ہیں، اسی طرح تدریس اور تصنیف کا سلسلہ تقریباً ۱۵/سال جاری رہا جس میں آپ نے لگ بھگ پچاس سے متجاوز رسائل تحریر فرمائے جن کو آپ کی اس آخری پندرہ سالہ زندگی کا ماحصل کہا جاسکتا ہے۔

زندگی کے آخری دور میں جب ۱۹۲۳ء میں آپ پر فالج کا اثر ہوا تو درس وتدریس کے مشاغل سے معذور ہوگئے جس کا انھیں شدید صدمہ تھا، مگر ان حالات میں بھی آپ رشد وہدایت کا حتی الامکان فرض انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ ۱۹۴۱ء میں دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ انا لله وانا اليه راجعون

/////☆☆☆☆/////

مقامات

اسلامی دنیا کی رصدگاہیں

محمد زکریا ورک (کینیڈا)

نویں صدی سے لے کر چودھویں صدی تک فلکیات میں ریسرچ کا تمام کام اسلامی ممالک (مشرق وسطی، نارتھ افریقہ اور اندلس) میں مسلمان ماہرین فلکیات کی نگرانی میں سرانجام پایا تھا، چار سو سال کے اس عرصہ میں جب یورپ اپنے تاریک دور سے گزر رہا تھا مسلمانوں نے یونانی علوم کی دیکھ بھال کر کے ان میں خاطر خواہ اضافے کئے اور بعد میں انہی علوم کے مطالعہ سے یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا تھا۔

بغداد میں نویں صدی میں خلیفہ ہارون الرشید اور المامون الرشید کے دور خلافت میں یونانی زبان میں موجود تمام سائنسی علوم کے تراجم عربی میں کئے گئے تھے، یونانی کتابوں کے حصول کے لیے ممتاز عالم اور سفیر باز نطینی مملکت کو خلیفہ کے حکم پر بھجوائے گئے تھے، ان درجنوں اہم کتابوں میں سے جن کے تراجم کئے گئے بطلیموس کی فلکیات پر کتاب ''میگالے سین ٹیکسز'' تھی جس کا ترجمہ المجسطی کے عنوان سے کیا گیا، المجسطی (Almagest) اب یورپ میں صدیوں سے اس کے عربی نام ہی سے معروف چلی آرہی ہے، دو ہزار سال تک یہ کتاب فلکیات میں سب سے اہم کتاب سمجھی جاتی رہی ہے۔

سائنس کے فروغ کے لیے امراء اور حکمرانوں کی سرپرستی لازمی ہوتی ہے، خلیفہ المامون نے اس ضمن میں بغداد میں بیت الحکمۃ کے نام سے ایک سائنس اکیڈمی کی بنیاد رکھی، جس کا پہلا ڈائریکٹر حنین ابن اسحٰق تھا، اس کو یونانی پر مکمل عبور حاصل تھا، اس نے یونانی سائنس دانوں جیسے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس کی سو سے زیادہ کتابوں کے تراجم عربی میں کئے، ثابت ابن قرۃ بھی اس اکیڈمی سے منسلک تھا، جس نے ایک سو کے قریب سائنسی کتابیں قلم بند کیں، ان میں سے ایک المجسطی کی شرح تھی۔

ایک اور اسٹرانومر جو اکیڈمی سے منسلک تھا وہ موسی الخوارزمی تھا، الخوارزمی نے الجبرا پر دنیا کی پہلی کتاب زیب قرطاس کی تھی، یہ کتاب مامون کے نام سے معنون تھی، اس کتاب کے ذریعہ عربی ہندسے یورپ میں اسلامی اسپین کے راستے متعارف ہوئے تھے، انگلش لفظ الگورزم الخوارزمی کے نام سے ماخوذ ہے۔

مسلمانوں نے یونانی کے علاوہ پہلوی، سنسکرت، عبرانی، اور دیگر زبانوں سے بھی کتابوں کے تراجم کر کے انٹرنیشنل سائنس کی بنیاد 900ء کے لگ بھگ رکھی، اس بین الاقوامی سائنس کی زبان عربی تھی، جس میں رفتہ رفتہ تمام سائنسی علم منتقل ہو گیا۔

ان علوم میں سے مسلمانوں نے سب سے زیادہ توجہ علم فلکیات کو دی جس کی وجہ سے اسلامی تہوار کا تعین تھا جیسے حج، ماہ صیام، عیدین اور نمازوں کی ادائیگی ان تہواروں کے لیے سورج اور چاند کی منزلوں کا جاننا ضروری تھا، نماز کے لیے کسی بھی ملک سے مکہ کی سمت جاننا بھی لازمی تھا، چنانچہ مسلمانوں کی دلچسپی سے ایک نئے علم کی بنیاد پڑی جسے ریاضیاتی ہیئت (mathematical astronomy) کہا جاتا ہے، علم کی اس شاخ میں جو سائنسی مسائل پیدا ہوئے ان کے حل کے لیے ٹریگانومیٹری کا جاننا ضروری تھا، اس لیے مسلمان ہیئت دان ہونے کے علاوہ ریاضی داں بھی ہوتے تھے، نئے چاند (ہلال) کے طلوع ہونے کی پیشگی اطلاع کے لیے نیز کسی بھی علاقہ سے کعبہ کی سمت طے کرنے اور مسجدوں کو اس رخ پر تعمیر کرنے کے لیے مسلمان ہئیت دانوں نے سفیر یکل جیومیٹری میں زبردست اضافے کئے، علم فلکیات میں ریسرچ کے لیے رصدگاہوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اس ضمن میں مسلمانوں نے رصدگاہیں قائم کیں،

اس کی تفصیل یہاں دی جاتی ہے۔

شماسیہ رصد گاہ ، بغداد

رصد گاہ کا مقصد کسی عمارت سے افلاک کا مشاہدہ کرنا ہوتا ہے ، افلاک کے مشاہدات ہر تہذیب کے لوگ ہزاروں سال سے کرتے آئے ہیں ، خیال کیا جاتا ہے کہ مصر میں چی اوپ (CHEOP) کا اہرام اور انگلستان میں سٹون ہینج بھی رصد گاہیں تھیں، اسلامی دنیا میں اس انسٹی ٹیوشن کو بغداد کے روشن خیال اور علم دوست خلیفہ المامون کے دور خلافت (813-833) میں بہت ترقی ملی، خلیفہ المامون نے اسلام کی سب سے پہلی رصد گاہ شماسیہ کی بنیاد بغداد میں رکھی تھی ، اس کے علاوہ دمشق کے نزدیک قاسیوں کے پہاڑ پر بھی ایک رصد گاہ تعمیر کروائی ، ان دونوں رصد گاہوں سے افلاک کے مشاہدات کئے گئے تھے ، شماسیہ رصد گاہ کی مخصوص عمارت تھی ، جس کے ساتھ ہیئت دانوں کے دفاتر اور ان کی رہائش کے لیے مکانات تھے، یہاں کا ایک مشہور ترین اسٹرانومر سند بن علی تھا ، جو کاریگر بھی تھا ، اس لیے مامون نے اس کو ہیئت کے آلات بنانے کا حکم دیا ، اس کے علاوہ یحیٰ ابن علی منصور اور عباس الجوہری بھی یہاں کے معروف ہیئت داں تھے، بغداد میں ماہرین فلکیات کی ایک ٹیم نے جو فلکی مشاہدات ایک ٹیم کی صورت میں 830-829ء میں اور دمشق میں 833-832ء میں کئے تھے ، یہ دونوں اس میں شامل تھے ، یحیٰ نے ستاروں کی ایک کیٹیلاگ (زیچ) تیار کی جس کا نام زیچ ممتحن تھا جب کہ عباس نے اقلیدس کی کتاب عناصر کی تفاسیر تیار کیں۔

شماسیہ رصد گاہ مامون کی بنائی ہوئی سائنس اکیڈمی بیت الحکمۃ کا حصہ تھی ، اکیڈمی میں ایک لائبریری (خزانۃ کتب الحکمۃ) بھی تھی ، جہاں سائنس اور فلاسفی کی کتابوں کے تراجم کئے جاتے تھے ، سائنس دانوں اور مترجمین کے یہاں ہفتہ وار اجلاس ہوتے تھے ، اس لحاظ سے یہ افلاطون کی اکیڈمی سے مشابہت رکھتی تھی ، موسیٰ الخوارزمی جس نے ایک ڈگری کی پیائش کی سائنسی مہم میں دوسرے سائنس دانوں کے ہمراہ حصہ لیا تھا ، وہ اس لائبریری کا انچارج تھا، موسیٰ نے اسلامی دنیا کی سب سے پہلی زیچ تیار کی تھی۔

البیرونی کے مطابق یحیٰ ابن منصور کی قیادت میں سورج کے دو مشاہدات بھی کئے گئے تھے ، جب وہ خط استوا سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے (solstice) ان مشاہدات میں الخوارزمی نے بھی حصہ لیا تھا ، اگلے سال دو اور مشاہدات بھی کئے گئے تھے ، جن کا موازنہ گزشتہ سال سے کیا گیا ، ان مشاہدات کے لیے ایک آلہ استعمال کیا گیا جس کو آرملری سفیئر (armillary sphere) کہتے ہیں ، یہاں آلات بنانے کا ایک ماہر ابن خلاف تھا ، جس نے اصطرلاب بنایا ، رصد گاہ میں استعمال ہونے والے آلات میں سے ایک آلے کا نام azimuth quadrant تھا۔

جبل قاسیون رصد گاہ :

خلیفہ المامون نے دمشق کے قریب قاسیون کے بلند پہاڑ پر اس رصد گاہ کی تعمیر کا فرمان 830ء میں جاری کیا ، حکیم یحیٰ بن منصور (833) ء اس کا ڈائریکٹر تھا ، یحیٰ اور ماہرین کی جماعت نے فلکیات کا مطالعہ اور مشاہدہ شروع کیا ، اس نے ایک زیچ تیار کی جس کا نام المامونی تھا ، وہ بیت الحکمۃ کا ممبر بھی تھا ، خالد بن عبد الملک المروزی (849) ء بھی یہاں کا نامور ماہر فلکیات تھا ، جو یحیٰ کے بعد یہاں کا متولی (ڈائریکٹر) مقرر ہوا ، اس نے دو دیگر سائنس دانوں سند بن علی اور عباس بن سعید الجوہری (م 847ء) کی موجودگی میں برج اسد میں ایک روشن ستارے کے مشاہدات کئے ، عباس بن سعید الجوہری نے جو مشاہدات کئے وہ کتاب کی صورت میں مرتب کئے گئے تھے ، یحیٰ اور سند منجم بھی تھے۔

علی ابن عیسیٰ اصطرلابی ایک مانا ہوا انسٹرومنٹ میکر تھا ، جس نے اصطرلاب پر دنیا کا پہلا رسالہ (manual) بھی ترتیب دیا تھا (اسلامی اسٹرانومی ، سائنٹفک امیریکن اپریل 1986ء) ابن اسحاق نے بھی یہاں ہیئت کے آلات بنائے ، البیرونی کا کہنا ہے کہ جبل قاسیون پر جو سنگ مرمر سے بنا مورل قواڈرنٹ (muralquadrant) استعمال کیا گیا اس کا قطر پانچ میٹر تھا (قطر وہ خط مستقیم ہے جو دائرے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے) اس کے درمیان میں سوراخ سے انسان سورج کے مشاہدات

کرسکتا تھا، اور ایک آلہ جو زیر استعمال رہا اس کا نام نومن (Gnomon) تھا جو پانچ میٹر لمبا تھا۔

المامون کی سرپرستی میں کام کرنے والے، تمام ماہرین فلکیات نے زیج تیار کیں تھیں، دونوں رصد گاہوں میں سورج، چاند، سیاروں اور ستاروں کے مشاہدات کئے گئے، ستاروں کے محل وقوع کے کیٹیلاگ بھی تیار کی گئی، ماہرین کی ریسرچ سے سولر اپوگی (solar apogee) کی حرکت دریافت کی گئی نیز ایک شمسی سال کی معین مدت بھی معلوم ہوئی (equinox observations) عمر خیام کا کہنا ہے کہ مشاہدات کا بڑا مقصد ایرانی کیلنڈر کے پہلے دن (نوروز) کے تعین کے لیے شمسی کیلنڈر بنانا تھا، ایک زبردست سائنسی کارنامہ قبلہ کا تعین تھا، جس کے لیے مکہ کا صحیح جغرافیائی محل وقوع جاننا ضروری تھا، مامون کے حکم پر مکہ کا طول بلد اور عرض بلد بغداد اور مکہ میں چاند گرہنوں سے معلوم کیا گیا، سرویئرز نے ان دوشہروں کے درمیان فاصلہ کو ماپا۔

المامون الرشید کا ایک اور ممتاز و فاضل ہیئت داں محمد کثیر الفرغانی (863ء) تھا جس کا علمی شاہکار کتاب فی حرکۃ السماویۃ تھی، اس کا لاطینی میں ترجمہ ''جیرارڈ آف کریمونا'' نے کیا جو 1493ء میں شائع ہوا تھا، اس کتاب نے یورپ کے ہیئت دانوں پر گہرا اثر چھوڑا، اس نے اصطرلاب پر بھی ایک مقالہ لکھا، اس کا علمی کارنامہ یہ ہے کہ جس رنگ میں اس نے اصطرلاب کو علم نجوم، علم فلکیات اور ٹائم کیپنگ کے مسائل حل کرنے کے لیے استعمال کیا۔ (اسلامی اسٹرانومی، سائنٹفک امیریکن، اپریل 1986ء)۔

ابراہیم عمادی نے اپنی کتاب میں بغداد کے دیگر ہیئت دانوں کے جو مختصر حالات دئے ہیں، ان میں خالد بن عبدالملک، محمد بن موسیٰ شاکر، احمد بن موسیٰ شاکر، علی بن عیسیٰ اصطرلابی، محمد بن موسیٰ خوارزمی کے نام شامل ہیں (مسلمان سائنس داں اور ان کی خدمات)

شرف الدولہ رصدگاہ:

بغداد میں شرف الدولہ نے اپنے محل میں ایک رصدگاہ تعمیر کروائی، اس کا ایک ڈائریکٹر (صاحب) تھا، الکوہی نے اس رصدگاہ میں مشاہدات کے لیے آلات بنائے، اس نے سات سیاروں کے مشاہدات کا پروجیکٹ الکوہی کو جون 988ء میں دیا، یہ مشاہدات شہر کے سربرآوردہ افراد جیسے ابن بلال، البزجانی، الصیغانی، السمری اور المغربی، ابوحمید الصیغانی (990ء) موجد اور انسٹرومنٹ میکر تھا، جس نے اس رصدگاہ کے لیے آلات بنائے۔

البیرونی کا کہنا ہے کہ الکوہی نے مشاہدات سماوی کے لیے بغداد میں ایک خاص عمارت تعمیر کروائی جس کا فرش نصف کرے کی صورت میں تھا، اس کا قطر 12.5 میٹر تھا، عمارت کے اوپر کی منزل پر سوراخ تھا، جہاں سے سیاروں کی روزانہ کی ٹریجکٹوری (trajectory) دیکھی جاتی تھی، وہ عرصہ جب سورج خط استوا سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے (Solstice) اس کا بھی ایک مرتبہ مشاہدہ کیا گیا۔

ابومحمود الخوجندی (م 1000ء) نے موجودہ طہران سے پانچ میل دور شہر میں جبل تبروک پر 994ء میں ایک خاص مشاہدہ کیا جس کو obliquity of ecliptic کہتے ہیں، اس کام کے لیے الخوجندی نے ایک خاص آلہ بنایا جس کا نام سدی الفخری تھا (رصدگاہ کے سرپرست فخر الدولہ کے نام) اس آلے کا قطر بیس میٹر تھا، اس کی مدد سے ڈگری، منٹ اور سیکنڈ کا پتہ لگایا جاسکتا تھا، ہر ڈگری 360 حصوں میں تقسیم تھی، ہر دس سیکنڈ کے لیے سکیل پر نشان لگایا گیا تھا، آلہ کا ڈایا میٹر دو سینٹی میٹر تھا، اس قسم کا ایک اور آبزرویشن 997ء میں بھی کی گئی تھی۔

اس رصدگاہ کے پہلو بہ پہلو شیراز میں عدوالدولہ کی اور رَے میں فخر الدین کی رصدگاہیں تھیں، دسویں صدی کے اختتام تک رصدگاہیں خاص انسٹی ٹیوشن تھیں جن کے محل وقوع مقرر تھے، ان کا مقصد علم فلکیات میں ریسرچ تھا، ڈائریکٹر کے علاوہ اس کا اپنا سائنسی اسٹاف اور آلات ہوتے تھے، بڑے بڑے آلات بنانے پر خاص زور دیا جاتا تھا، اس کی انتظامیہ اعلیٰ رنگ میں کام کرتی تھی، سیاروں، ستاروں، سورج اور چاند کے مشاہدات کے علاوہ ہیئت داں یہاں زیج تیار کرتے تھے، چونکہ اس کو چلانے کے لیے حاکم وقت کی سرپرستی ضروری تھی، اس لیے رصدگاہ رائیل انسٹی ٹیوشن ہوتی تھی۔

ادھر اسلامی اسپین کے ممتاز ریاضی داں اور ماہر فلکیات مسلمہ المجریطی (م 1007ء) نے الخوارزمی کی زیج کو اپڈیٹ کرکے اس کی

ترمیم کی ،اس کالاطینی میں ترجمہ 1126ء میں کیا گیا ، اس نے اصطرلاب پر جو مقالہ لکھا اس کا ترجمہ جان آف سیول نے کیا، کتاب الھیئہ کا ترجمہ مائیکل اسکاٹ نے کیا، مسلمہ نے کئی قابل شاگرد پیدا کئے جیسے الکرمانی، اور ابن سمع جنہوں نے زیج السند الھند کی شرح لکھی۔

البیرونی (1048ء) نے خوارزم میں 17 سال کی عمر میں فلکی مشاہدات شروع کئے ، نیز اتنی چھوٹی عمر میں ایک سائنسی آلہ ایجاد کیا، جس سے شہروں کے طول بلد معلوم کئے جاسکتے تھے۔ (TheDiscoverers,D.J.Boorstin.Page183) اس نے خراسان کے کئی شہروں کے عرض بلد معلوم کئے ، قبلہ کے تعین کے لیے شہروں کے عرض بلد معلوم کرنا ضروری ہوتا تھا، اس نے مکہ کا عرض بلد اور طول بلد بھی معلوم کیا تھا، کابل کے نزدیک ایک گاؤں میں بھی اس نے مشاہدات کئے ، ہیئت میں اس نے ایک انسائیکلوپیڈیا ترتیب دیا جس کا نام قانون المسعودی فی ہیئہ والنجوم تھا، غزنہ میں قیام کے دوران اس نے علم نجوم پر کتاب لکھی ، رسائل البیرونی حیدرآباد سے 1948ء میں شائع ہوئی تھی، جس میں ریاضی اور ہیئت پر اس کے ٹھوس مقالے دئے گئے ہیں، رسائل ابی نصر میں اس کے پندرہ مقالے ریاضی اور اسٹرانومی پر دئے گئے ہیں، اس نے اصطرلاب کی ایک ڈایاگرام بنائی جس میں گیئرز لگے ہوئے تھے ، اس سے میکینکل کلاک کی ایجاد ہوی ، فی صنعۃ الاصطرلاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں اس آلے کے بنانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، اس کی تحریروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ جانتا تھا کہ سورج نہ کہ زمین ہمارے شمسی نظام کا مرکز ہے، اس نے کہا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، نیز اپنے محور پر بھی گھومتی ہے اور یہ کہ زمین کا محور جھکا ہوا ہے، البیرونی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کی انگلیاں قلم کو ، آنکھیں مطالعے کو اور دل غور و فکر کو صرف کھانے پینے کے وقت چھوڑتا تھا۔

قاہرہ کی رصدگاہ

فاطمی خلیفہ الحاکم بامراللہ (1021-996ء) نے قاہرہ میں ایک رصدگاہ شہر کے عظیم سائنس داں اور ماہر فلکیات ابوالحسن علی ابن یونس کے لیے تعمیر کروائی ، رصد الحاکمی مقطعم پہاڑ کے اوپر واقع تھی ، دار الحکمۃ (سائنس اکیڈمی 1171-1005ء) کا حصہ تھی ، ابن یونس کے علاوہ جن ماہرین فلکیات نے یہاں ریسرچ کا کام کیا ان کے اسماء گرامی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں ، رصدگاہ میں فلکی مشاہدات کے لیے ایک تانبے کا آلہ جو اصطرلاب سے ملتا جلتا تھا اور جو دوستونوں پر رکھا ہوتا تھا استعمال کیا جاتا تھا ۔اس کے اوپر اسماء بروج (signs of zodiac) کندہ تھے، اس کی لمبائی تین میٹر کے لگ بھگ تھی۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ الحاکم انتظامی امور کے فیصلے علم نجوم کے تحت کرتا تھا ، وہ اپنے خچر کے اوپر بیٹھ کر مقطعم کے پہاڑ پر جا کر دعا کرتا اور بعض ایک کے مطابق ستاروں کے ساتھ تعلق قائم کرتا تھا (تاریخ جلد چار صفحات 61-60) ابن الہیثم یہاں کا مشہور زمانہ ہئیت داں، ماہر طبعیات اور سائنس داں تھا، اس رصدگاہ میں ابن یونس نے جو زیج تیار کی اس کا نام زیج الحاکمی الکبیر ہے، یہ زیج عربی میں فرنچ ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، ابن یونس نے اپنی زندگی میں ایک سورج گرہن ، تین چاند گرہن قاہرہ کی ایک مسجد ابوجعفر المغربی سے دیکھے تھے، ایک اور پرانی مسجد الجامع العتیق کی چھت پر سے بھی اس نے فلکی مشاہدات کئے، اس نے جو آلات تیار کئے وہ آسانی سے ادھر ادھر لے جائے جاسکتے تھے (portable instruments) اطالین مصنف اور مؤرخ نالینو (Nalino) کے مطابق ابن یونس نے مشاہدات دس سال (1007-997ء) تک کئے ، کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی موت کی پیش گوئی وفات سے سات روز قبل کی، اپنی قبر تیار کروائی اور چند کتابوں کے مسودات پانی میں پھینک کر ضائع کر دئے۔

ابن الصفار اندلس کے دار الحکومت قرطبہ میں مقیم تھا، وہ ایک مستند ہیئت داں اور ریاضی داں تھا، اس نے اصطرلاب پر ایک رسالہ ''کتاب العمل بالاصطرلاب'' لکھا جس کا ترجمہ لاطینی میں کیا گیا، اس نے ایک زیج بھی تیار کی ، خوشیار ابن لبان (1029-971ء) جیلان کا رہنے والا تھا، اس کی تیار کردہ زیج کا نام الزیج الجامع والبلیغ ہے جس کا ترجمہ فارسی میں ہو چکا ہے۔

///☆☆☆///

سیرتِ صحابہ

یمن کے گورنر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حمیداللہ قاسمی کبیرنگری، مرکز احیاء الفکرالاسلامی

جب اہل یمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ آپ ایک ایسا آدمی بھیج دیجئے جو صرف امیر ہی نہ ہو، بلکہ معلم بھی ہو۔

تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پڑی، چنانچہ آپ نے ان کو اشارہ کر کے بلایا اور کہا کہ اے معاذ! تم یمن چلے جاؤ تمہاری وہاں ضرورت ہے، پھر آپ نے تبلیغ سے متعلق کچھ نصیحتیں فرمائی اور ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا اور کہا کہ اے معاذ! واپسی میں شاید تم مجھ سے نہ مل سکو گے، یہ سننا تھا کہ حضرت معاذ کے آنسو بہہ پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی آنسو شدت محبت کی وجہ سے بہہ پڑے اور جب روانہ ہونے لگے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ چل کر نصیحت ؛ بلکہ وصیت فرما رہے تھے۔

اے معاذ! لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، مشکلات پیدا نہ کرنا، انہیں خوشی ومسرت کا پیغام سنانا، ایسی کوئی بات نہ کرنا، جس سے انہیں دین سے نفرت ہو جائے۔

اس سفر کا منظر بھی عجیب تھا کہ محبوب پیدل چل رہے تھے اور محبّ سوار، جی ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے۔

اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے خوش تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر مجھے فیصلہ کرنے کے لیے قرآن وسنت میں کوئی چیز نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جواب سے اتنی خوشی ہوئی تھی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

پھر اس وقت وہ حالت بھی عجیب تھی، کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! ہوسکتا ہے آج کے بعد تم مجھ سے پھر نہ مل سکو، شاید واپسی میں تمہارا گذر میری مسجد اور قبر کے پاس ہی سے ہوگا۔

یہ سننا تھا کہ اس عاشق صادق کے پاؤں سے زمین نکل گئی اور زار وقطار رونے لگے، روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ نے اپنا روئے انور مدینہ منورہ کی طرف پھیرلیا اور یہ ارشاد فرمایا: "ان اولی الناس بی المتقون حیث کانوا ومن کانوا" یعنی میرے قریب ترین وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں جہاں بھی ہوں اور جو بھی ہوں۔

چنانچہ یہی ہوا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے واپس آئے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور حضرت معاذؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر رو رہے تھے۔

یہ خوبرو، خوش اخلاق، کشادہ دست، کریم النفس، خوش بیان اور شریں بیان معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ الانصاری ہیں، جو اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت نہ فرمائی تھی، یہ مدینہ سے جا کر مشرف باسلام ہوئے تھے۔

بیعت عقبہ میں شریک ہونے والے ستر جلیل القدر صحابہ میں سے

ایک یہ بھی تھے۔

اٹھارہ سال کی عمر، ابھرتی جوانی، سینہ میں موجزن ارمان، دنیا میں گھسنے کا خیال اور مستقبل کے عزائم کو پختہ کرنے کا زمانہ، مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام، تعلیم قرآن اور شرک کے خاتمے کے لیے وقف کر دی۔

چنانچہ حضرت عمرو بن حمو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بت پرستی اور بتوں سے تنفر کرنے والوں میں ان کا بھی کردار تھا۔

دین کے مسائل سیکھنے اور قرآنی علوم پڑھنے میں اس طرح لگ گئے کہ ان کو دینی علوم میں مہارت تامہ حاصل ہوگئی، پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، نے ان کے بارے میں وہ بشارت دی جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعلمهم بالحلال والحرام معاذبن جبل" کہ میری امت میں سب سے زیادہ حلال وحرام کے مسائل جاننے والے معاذ بن جبل ہیں۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کسی صحابی نے "اِنَّ اِبْـرَاهِيمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ" پڑھی (یعنی ابراہیم ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمانبردار تھے) اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ معاذ بھی ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار تھے، ان کے متعلق آپؐ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، جانتے ہو 'امت' وہ شخص ہے جو لوگوں کو خیر کی باتیں سکھاتا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۹۴)

ابو بحریہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں میں نے گھنگریالے بالوں والے ایک نوجوان کو بیٹھا ہوا دیکھا اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ گفتگو کرتا تو یوں معلوم ہوتا کہ جیسے اس کے منہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور موتی بکھر رہے ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں:..................

اسی طرح ابومسلم خولانی کا بیان ہے کہ ایک روز میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا تو وہاں عمر رسیدہ صحابہ کرام تشریف فرما تھے اور ان میں ایک نوجوان سُرمیلی آنکھوں والا اور چمکیلے دانتوں والا تھا، جب یہ حضرات کسی بات میں اختلاف کرتے تو یہ لوگ اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے۔

میں نے پوچھا یہ جوان کون ہے؟

بتایا گیا کہ یہ معاذ بن جبلؓ (ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن، لقب امام الفقہاء ہے) ہیں............

پھر ان سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش نصیب افراد میں شامل فرمایا اور وہ کتابت قرآن کے شرف سے مشرف ہوئے، یہ ان پر اعتماد کامل اور علم کی پختگی کی ایک دلیل تھی، اسی طرح فتح مکہ کے بعد جب لوگ گروہ درگروہ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، تو ان میں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب انہی پر پڑی اور انہیں کو اس کام کے لیے متعین فرمایا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے "معـاذامـام الـعلماء يوم القيامة برتبة" معاذ کو قیامت کے دن علماء کی پیشوائی حاصل ہوگی اور ایک بڑا درجہ ان کو ملے گا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے علم کی گہرائی اور گیرائی عطا کی تھی، تو جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق محبت اور سنت کی پیروی میں کوتاہی نہ کی، تو وہی حقوق العباد کی رعایت بھی بڑی شدت سے فرماتے رہے۔

چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی دو بیویاں تھیں، جب ایک کی باری ہوتی تو دوسری کے گھر میں پانی تک نہ پیتے اور نہ وضو فرماتے۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ اس عظیم خوبی سے بھی بہرہ ور تھے جس کو اپنا کر مسلمانوں نے عظمت حاصل کی تھی، جس خوبی کی بدولت مسلمانوں کا دبدبہ، شان وشوکت اور نام تھا اور جس کو چھوڑنے کے بعد مسلمان پستی کی اتھاہ گہرائی کی طرف مسلسل رواں دواں ہیں اور جہاں دیکھو مسلمان ذلت ورسوائی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

////☆☆☆☆////

آئین ہند

پانچویں قسط

ہندوستان کا دستور

تلخیص وترتیب: محمد ارشد فیضی

دستور ہند پر اجمالی گفتگو کی یہ پانچویں کڑی ہے، جس کے اندر گورنر کا حلف واقرار، حلف نامہ کے الفاظ، گورنر کا اختیار، وزیروں کی کونسل، وزراء کے انتخاب کا طریقہ کار، میعاد، ریاست کا ایڈوکیٹ جنرل، ایڈوکیٹ کا فرض، ریاستی حکومت کے کام کا طریقہ کار، گورنر کے اختیارات، ریاست کے وزیر اعلیٰ کی ذمہ داری، ریاستی مجلس قانون ساز، قانون ساز اسمبلیوں کی بناوٹ، قانون ساز کونسل کی بناوٹ، ریاستی مجلس قانون ساز کی مدت وغیرہ جیسے اہم عنوانات کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ سب ایڈیٹر

گورنر کا حلف واقرار:

ہندوستان کے جمہوری دستور کے مطابق ہر گورنر اور ہر وہ شخص جو گورنری کے فرائض انجام دے، اس کے لیے اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل اس عدالت عالیہ کے اعلیٰ جج کے سامنے اپنا حلف نامہ داخل کرنا ضروری ہے، جو عدالت اس ریاست کے متعلق اختیار سماعت استعمال کرتی ہو، اور اگر عدالت عالیہ کا اعلیٰ جج موجود نہ ہو تو پھر اس عدالت کے سب سے سینئر جج کے سامنے اس کو اپنا حلف نامہ پیش کرنا ہوتا ہے، یہ تمام تفصیلات دستور ہند کی دفعہ ۱۵۹ ر میں موجود ہے۔

حلف نامہ کے الفاظ:

گورنر عدالت عالیہ کے اعلیٰ جج کے سامنے جو حلف نامہ داخل کرتا ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہوتے ہیں کہ ''اقرار صالح کرتا ہوں کہ اس ریاست کے گورنر کا کام پوری ایمانداری سے انجام دوں گا اور حتی المقدور آئین وقانون کو برقرار رکھوں گا، نیز آئین کی حفاظت اور عوام کی خدمت اور فلاح وبہبود کے لیے اپنے آپ کو وقف کردوں گا''۔

حالات اتفاقہ میں گورنر کے کام کی انجام دہی:

اگر کبھی کسی ریاست میں کوئی ایسی صورت حال سامنے آجائے کہ گورنر کے کام کی انجام دہی کے لیے کسی شخص کے انتخاب کی ضرورت ہو تو ایسے موقع پر دستور ہند کی دفعہ ۱۶۰ ر کے مطابق ملک کے صدر کو کلی اختیار حاصل ہوتا ہے، کہ وہ اس کار منصبی کی انجام دہی کے لیے جس طرح بھی مناسب طریقہ چاہئے اختیار کرلے۔

گورنر کا اختیار:

اگر کوئی شخص ریاست کے کسی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے ریاست کی انتظامیہ کی نظر میں مجرم قرار پاجائے اور عدالت اس کو سزا سنادے تو ایسے مجرم کے متعلق اس کی سزا کو معاف کرنے التوائے سزا کا حکم دینے، سزا معطل کرنے، سزا کو بخش دینے اور اس کے علاوہ حکم سزا کو ملتوی، معاف یا کم کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے۔

وزیروں کی کونسل:

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۳ میں درجہ تفصیلات کے مطابق ہر ریاست کے اندر گورنر کے کارہائے منصبی کی انجام دہی میں تعاون کی غرض سے وزیروں کی تشکیل عمل میں آتی ہے، جس کا سربراہ اس ریاست کا وزیر اعلیٰ ہوتا ہے، دستور ہند کی اسی دفعہ کے ذیل میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ اگر ریاست کے اندر کوئی ایسا سوال پیدا ہوجائے کہ آیا کوئی امر ایسا

ہے یا نہیں جس کے بارے میں گورنر کا اپنے اختیار سے عمل کرنا لازم ہے تو ایسی صورت میں گورنر کا اپنے اختیار سے کیا ہوا ہر فیصلہ حتمی ہوگا، اور گورنر کے کئے ہوئے کسی بھی فیصلے کے خلاف عدالت میں کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا۔

ایسے موقع پر گورنر کو ریاست کے وزیروں سے مشورہ کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے، اگر وہ کسی موضوع پر وزیروں سے مشورہ کرے تو اس کو اس کے اختیار پر محمول کیا جائے گا اور اگر وہ مشورہ کسی سے بھی نہ لے تو پھر اس صورت حال کو سامنے رکھ کر یہ سوال قائم نہیں کیا جا سکتا، کہ گورنر نے وزاء سے مشورہ لیے یا نہیں اگر انہوں نے مشورہ لیا تو وزاء نے اس بارے میں کیا مشورہ دیئے، یہ سوال اس وجہ کر قائم نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے امور میں گورنر کو مشورہ لینے اور نہ لینے دونوں کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

وزراء کے انتخاب کا طریقۂ کار :

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۴ کی رو سے ہر ریاست کے وزیر اعلی کا انتخاب اس ریاست کا گورنر کرتا ہے، جب کہ دوسری وزارتوں کے لیے وزیروں کا انتخاب گورنر اور وزیر اعلی دونوں کے مشترکہ مشورے سے عمل میں آتا ہے۔

معیاد:

دستوری طور پر ریاست کا کوئی بھی وزیر اسی وقت تک اپنے عہدے پر برقرار رہنے کا مستحق رہتا ہے، جب تک اسے گورنر کی خوشنودی حاصل رہے، بصورت دیگر اس کی وزارت دوسرے کو منتقل کر دی جاتی ہے، اس کی وضاحت بھی دفعہ ۱۶۴ر کے ذیل میں موجود ہے۔

دستور کی دفعہ ۱۶۴ کی شق نمبر ۳ر کی تفصیل کے مطابق ریاست کے ہر وزیر کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے گورنر کے سامنے اپنا حلف نامہ داخل کرنا ہوتا ہے، جس کے اندر اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ ریاست کی تعمیر و ترقی کے لیے پورے ایماندارانہ طریقے سے اپنی ذمہ داریاں نبھائے گا۔

شرط :

دستوری طور پر کوئی بھی شخص کسی ریاست کا وزیر اسی وقت بن سکتا ہے جب کہ وہ متواتر چھ ماہ تک ریاست کی مجلس قانون ساز کا ممبر رہا ہو۔

ریاست کا ایڈوکیٹ جنرل :

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۵ر کے مطابق ہر ریاست کا کوئی نہ کوئی ایڈوکیٹ جنرل ہوتا ہے، جس کا انتخاب اس ریاست کے گورنر کی صواب دید پر ہوتا ہے، دستور کے مطابق گورنر اس عہدے کے لیے ایسے شخص کو منتخب کرتا ہے، جو کسی عدالت عالیہ کے جج کی حیثیت سے تقرر کیے جانے کا اہل ہو۔

ایڈوکیٹ کا فرض:

گورنر کے ذریعہ ریاست کے ایڈوکیٹ کے لیے منتخب ہونے والے شخص پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس ریاست کی حکومت کو ایسے قانونی امور میں مشورہ دے اور قانونی نوعیت کے ایسے دیگر فرائض انجام دے جس کے لیے ان سے وقفہ وقفہ سے رجوع کیا جاتا رہے۔

معیاد :

ایڈوکیٹ جنرل کی معیاد کے مطابق دستور ہند کی دفعہ ۱۶۵ر کی شق نمبر ۳ر میں یہ تفصیل موجودہ کہ وہ اس وقت تک اپنے عہدے پر برقرار رہے گا، جب تک اسے گورنر کی خوشنودی حاصل رہے، دوسری بات یہ ہے کہ ایڈوکٹ جنرل کی تنخواہ بھی گورنر کے ذریعہ متعین کی جاتی ہے، چنانچہ اسے وہی تنخواہ ملتی ہے جو ریاست کا گورنر اس کے لیے متعین کردے۔

ریاستی حکومت کے کام کاطریقۂ کار:

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۶ر میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ریاستی حکومت کی جانب سے جو بھی عاملانہ کارروائی عمل میں آئے گی، اس کا سہرا گورنر کے سر رکھا جائے گا، یعنی اس عاملانہ کارروائی کا گورنر کے نام سے کیا جانا ظاہر کیا جائے گا۔

گورنر کے اختیارات:

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۷ر کی شق ۳ر کی توضیح کے مطابق گورنر کو یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ ریاستی حکومت کے کام کو زیادہ سہولت سے انجام دینے اور وزیروں میں اس کی صلاحیت کے مطابق کام تقسیم

کرنے کے سلسلے میں کوئی قانون بنانا چاہئے کہ تو بنالے۔

ریاست کے وزیراعلی کی ذمہ داری:

دستور ہند کے مطابق ریاست کے وزیر اعلی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اس ریاست کے گورنر کو ریاستی امور کے نظم ونسق اور قانون سازی کی تجاویز کے بارے میں وزیروں کی کونسل کے تمام فیصلوں کی اطلاع دے اور ریاستی امور کے نظم ونسق اور قانون سازی کی تجاویز کے بارے میں ایسی معلومات فراہم کرے، جو کہ گورنر طلب کرے، تا کہ ریاست کی تعمیر وترقی کی تمام تر کارروائیاں پورے امن وسکون کے ساتھ انجام پزیر ہوسکیں۔

ریاستی مجلس قانون ساز :

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۸ر کے مطابق ہر ریاست کے لیے ایک مجلس قانون ساز ہوتی ہے، جو ریاست کے وزراء اور گورنر پر مشتمل ہوتی ہے، واضح رہے کہ یہ مجلس قانون ساز، بہار، مہاراشٹر، کرناٹک اور اترپردیش کی ریاستوں میں دوایوانوں پر جب کہ دیگر ریاستوں میں ایک ایوان پر مشتمل ہوتی ہے۔

دستور ہند کی اصطلاح کے مطابق جس ریاست میں مجلس قانون ساز کے دوایوان ہوتے ہیں، وہاں ان میں سے ایک کو قانون ساز کونسل اور دوسرے کو قانون ساز اسمبلی کہا جاتا ہے، جب کہ جس ریاست میں یہ مجلس قانون ساز صرف ایک ایوان پر مشتمل ہوتی ہے وہاں، سے مجلس قانون ساز اسمبلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ریاستوں میں قانون ساز کونسلوں کی برخواستگی یا قیام :

دستور ہند کی دفعہ ۱۶۹ر کے مطابق پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی ریاست کی قانون ساز کونسل کو برخواست یا اس ریاست میں اس کا قیام عمل میں لادے، جہاں یہ کونسل نہ ہو۔

قانون ساز اسمبلیوں کی بناوٹ:

دستوری طور پر ہر ریاست کی قانون ساز اسمبلی ریاست کے زیادہ سے زیادہ پانچ سوارکان اور کم سے کم ساٹھ ارکان پر مشتمل ہوتی ہے، جو علاقائی انتخابی حلقوں سے براہ راست انتخاب کے ذریعہ چنے جاتے ہیں، یہ پوری وضاحت دستور ہند کی دفعہ ۱۷۰ر میں موجود ہے، اس دفعہ کی شق نمبر ۲ر کے اندر یہ تفصیل بھی درج کی گئی ہے کہ ریاستی انتخاب کے لیے ہر حلقے کی آبادی کے تناسب کو دیکھ کر ہی وہاں سیٹوں کی تقسیم عمل میں آئے گی اور آبادی کے تناسب کا اندازہ اس انتخابات سے قبل کی مردم شماری سے لگایا جائے گا۔

قانون ساز کونسل کی بناوٹ :

دستور ہند کی دفعہ ۱۷۱ر کے مطابق جس ریاست میں قانون ساز کونسل ہو اس کی بناوٹ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے ارکان کی تعداد ریاست کی مجلس قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی کل تعداد کی ایک تہائی سے زائد نہ ہو، لیکن اس موقع پر یہ خیال رکھا جانا ضروری ہے کہ اس ریاست کی قانون ساز کونسل کے ارکان کی مجموعی تعداد چالیس سے کم نہ ہو، ہاں اگر پارلیمنٹ اس مقدار کے متعلق کوئی قانون متعین کردے تو پھر اس کا خیال رکھا جانا ہر حال میں ضروری ہے۔

دستور ہند کی دفعہ ۱۷۱ر کی شق نمبر ۳ر کے ذیل میں یہ تفصیل بھی درج ہے کہ ریاست کی قانون ساز کونسل کے مجموعی ارکان میں سے ایک تہائی تعداد کا انتخاب تو رائے دہندگان کے ذریعہ عمل میں آئیگا جب کہ باقی ممبران پارلیمنٹ کے قواعد کے مطابق منتخب کیے جائیں گے۔

ریاستی مجلس قانون ساز کی مدت :

ہر ریاست کی مجلس قانون ساز کی مدت دستور ہند کی دفعہ ۱۷۲ کے مطابق پانچ سال ہوتی ہے، الا یہ کہ کسی ناگزیر وجوہات کے سبب اس سے پہلے ہی اسے ختم کردی جائے۔

////☆☆☆////

گوشۂ خواتین

آٹھویں قسط

اسلام میں پردہ کی اہمیت

سارہ عزیزی ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات، مظفر آباد

عورتوں کے قضائے حاجت او رشرعی ضرورت کے لیے گھر سے نکلنے کے آداب:

طبعی (قضائے حاجت وغیرہ) اور شرعی (حج وغیرہ) ضرورت سے عورتوں کو کسی وقت باہر نکلنا پڑے تو قرآنی تعلیم اور ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، کہ نگاہیں نیچی رکھیں، نقاب کے ساتھ نکلیں، بن سنور کر نہ نکلیں، میلے کپڑے اور سادہ برقعے میں نکلیں، کوئی خوشبو، پاوڈر وغیرہ لگا کر نہ نکلیں، سفر میں محرم یا شوہر کے ساتھ نکلیں، راستوں کے درمیان نہ چلیں اور بے پردگی کی جگہ نہ کھڑی ہوں، اس سلسلہ کی چند احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

خوشبو اور زینت کے بغیر نکلنا:

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں کہ جو کوئی عورت بھی (زیب وزینت کر کے اور) خوشبو لگا کر گھر سے نکلتی ہے اور مرد اسے دیکھتے ہیں، اللہ رب العزت اس سے مسلسل ناراض رہتے ہیں، تا آنکہ وہ اپنے گھر واپس آ جائے۔

ایک حدیث میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نظر بد ڈالنے والی ہر آنکھ زنا کار ہے اور جب کوئی عورت عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو وہ ایسی ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔

بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے نکلنا جائز نہیں:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ شوہر کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کو آنے دے اور شوہر کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر نکلے اور اس بارے میں وہ کسی کی اطاعت نہ کرے۔

عورت لمبا سفر محرم کے بغیر نہ کرے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتی ہے اسے چاہئے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر نہ کرے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ، بھائی، شوہر بیٹا یا کوئی اور محرم ہو (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) تین دن کے سفر سے مراد شرعاً وہ مقدار ہے جس پر نماز قصر کرنا جائز ہے، یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلومیٹر۔

عورتیں راستوں کے درمیان نہ چلیں:

حضرت ابوسعید انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے اور مرد وعورت وہاں سے گزر رہے تھے، راستہ میں مرد وعورت اس طرح چل رہے تھے، کہ (عورتوں کے پردے میں ہونے کے باوجود) مرد وعورت راستہ میں مل گئے تھے اور عورتیں ایک طرف چلنے کے بجائے بیچ راستہ میں مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی تھیں) یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عورتو! پیچھے ہٹو، تم کو راستہ کے بیچ میں چلنے کی اجازت نہیں، تم راستہ کے کناروں پر چلو، راوی کہتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد عورتیں راستہ کے کناروں پر ایسے طریقے پر گزرتی تھیں کہ راستہ کے دائیں یا بائیں جو کوئی دیوار ہوتی، اس سے چپکی جاتی تھیں، یہاں تک کہ بسا اوقات ان کا کپڑا دیوار میں اٹکنے لگتا تھا۔ (ابوداؤد، بیہقی)

میلے کپڑے اورسادے برقعے میں نکلے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ولکن یخرجن وھن تفلات" یعنی لیکن عورتوں کو میلے کچیلے کپڑوں میں نکلنا چاہئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورتوں کو عمدہ پوشاک نہ دو، گھروں میں بیٹھی رہیں گی اور یہ اس لیے فرمایا کہ عورتیں خراب خستہ حال میں باہر نکلنے کی رغبت نہیں کرتیں۔

عورتوں کو حمام میں غسل کی ممانعت :

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس پر لازم ہے کہ بغیر تہمد کے حمام میں داخل نہ ہو، اور جو شخص اللہ اور اس آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کسی ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (ترمذی ونسائی)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہی کہ "کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے، کیا کلب اور عام پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں، جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں، کیا آج کل کے اسکول حماموں سے کم ہیں، جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم وکرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں، پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے؟ اور کیا یہ سب کچھ اس تبرج جاہلیہ کا عکسی رخ نہیں ہے، جس کی ممانعت وتغیر پر قرآن کریم نے اپنا سارا زور صرف کر دیا تھا"۔ (شرعی پردہ صفحہ ۱۶)

کن مواقع پر عورت بلا اجازت جاسکتی ہے :

اگر کوئی عورت دائی ہے یا مردے کو غسل دینے والی یا اس کا کسی پر حق آتا ہے یا کسی کا اس پر حق آتا ہے تو اجازت سے یا بے اجازت شوہر، ہر طرح سے (گھر سے) جاسکتی ہے اور ان کے سوا غیروں کی ملاقات یا ان کی عیادت یا ولیمہ کے لیے جانے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر اس نے اجازت دی اور وہ گئی تو دونوں گنہ گار ہوں گے، اجازت کبھی چپ رہنے سے بھی ہوتی ہے، یہ خاموشی زبانی اجازت کے مثل ہے، کیونکہ بری بات سے منع کرنا فرض ہے، خاموش رہنے سے یہ فرض ترک ہوتا ہے اور ترک فرض گناہ ہے۔ (مجالس الابرار م ۹۸ ص ۵۲۲)

خواتین کا لباس کیسا ہو:

مسلمان عورت کو اسلام نے حیاء اور شرم سکھائی ہے، نامحرموں سے خلا ملا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایسے کپڑے پہننے کی ممانعت فرمائی ہے، جن کا پہننا نہ پہننا برابر ہو اور جن سے پردہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہو، عورتیں سروں پر ایسے دوپٹے اوڑھیں جن سے بال چھپ جائیں، گردن اور گلا ڈھک جائے اور نامحرموں کے آجانے کا اندیشہ ہو تو موٹے دوپٹوں سے اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ لیں، قمیص، جمپر اور فراک بھی ایسا پہنیں جس سے بدن نظر نہ آجائے، آستینیں پوری ہوں، گلے اور گریبان کی کاٹ میں اس کا خیال رکھیں کہ پیچھے اور آگے سینے کا کچھ بھی حصہ کھلا نہ رہے، شلوار اور ساڑی وغیرہ بھی ایسے کپڑے کی پہنیں جس سے ران، پنڈلی وغیرہ کا کوئی حصہ دکھائی نہ دے۔ (تحفہ خواتین ص ۲۶۶)

اسلام نے لباس کے سلسلہ میں چند آداب بتلائے ہیں :

۱- لباس ایسا ہونا چاہئے جس سے مکمل طور پر ستر پوشی ہو۔

۲- لباس اتنے باریک کپڑے کا نہیں ہونا چاہئے جس سے اندرون بدن نظر آئے۔

۳- لباس اتنا تنگ نہیں ہونا چاہئے کہ جسم کے خدوخال اس سے نمایاں طور پر محسوس کر لیے جائیں اور چست لباس، بجائے پردہ اور عفت کے، بے پردگی اور شہوت انگیزی کا ذریعہ بن جائے۔

۴- مرد ریشم کا کپڑا نہ پہنیں، ریشمی کپڑے کی لچک مردانہ مزاج کے خلاف اور زنانہ پن کے عین مطابق ہے۔

۵- مرد اور عورت صنف مخالف کی مشابہت اختیار کرنے والا لباس نہ پہنیں۔

باریک اور چست لباس کی ممانعت :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے مجھے ایک قبطی (نسبتاً) موٹا کپڑا دیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دحیہ کلبیؓ نے ہدیہ میں دیا تھا، میں نے وہ کپڑا اپنی بیوی کو اس کا لباس بنانے کے لیے دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا بات ہے تم نے قبطی کپڑا نہیں پہنا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس کا اپنی بیوی کو لباس بنوا دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی بیوی سے کہو کہ وہ اس کے نیچے کوئی کپڑا رکھے، مجھے ڈر ہے کہ (باریک ہونے کی وجہ سے) کپڑے سے اس کی ہڈیوں کا حجم نہیں چھپے گا۔ (مسند احمد، بزار)

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے آخری زمانے میں ایسی عورتیں ہوں گی جو کپڑا پہن کر بھی ننگی ہوں گی، ان کے سروں پر (بال) دبلے پتلے بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے، انہیں دیکھو تو ان پر لعنت بھیجو، اس لیے کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہوں گی، اگر تمہارے بعد بھی کوئی امت ہوتی، تو تمہاری یہ عورتیں ان کی عورتوں کی ایسی ہی غلامی کرتیں جیسے تم سے پہلی امت کی عورتیں تمہاری غلامی کرتی ہیں۔ (مسند احمد)

عورتیں بجنے والا زیور نہ پہنیں:

حضرت بنانہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی، کہ ایک عورت ایک لڑکی کو لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس اندر آئی، وہ لڑکی گھنگھرو پہنے ہوئے تھی، جن سے آواز آ رہی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب تک اس کے گھنگھرو نہ کاٹے جائیں، میرے پاس اسے ہرگز نہ لانا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے۔ (ابوداؤد)

مروجہ لباس کی خرابی:

آج کل ایسے کپڑوں کا رواج ہوگیا ہے کہ کپڑوں کے اندر سے نظر پار ہو جاتی ہے، بہت سے مرد اور عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایسے کپڑوں کے شلوار بنا کر پہن لیتے ہیں جن میں پوری ٹانگ نظر آتی ہے، ایسے کپڑے کا پہننا نہ پہننا برابر ہے اور اس سے نماز بھی نہیں ہوتی، عموماً عورتیں باریک دوپٹے اوڑھتی ہیں، جو چھوٹے سے عرض کے ہوتے ہیں، اول تو یہ دوپٹے پورے سر پر نہیں آتے اور اگر ان سے سر کو ڈھانپ بھی لیا، تو پردہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور ان کو اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی، جب حکم قرآنی "ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن" نازل ہوا تو صحابی عورتوں نے موٹی سے موٹی چادریں کاٹ کر دوپٹے بنا لیئے؛ لیکن آج کل کی عورتوں کو گرمی کھائے جاتی ہے اور غلط رواج کی وبا ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ جو عورتیں اپنے کو دیندار سمجھتی ہیں وہ بھی باریک دوپٹہ چھوڑنے کو تیار نہیں، پھر ایسے ہی دوپٹے سے نمازیں پڑھ لیتی ہیں، حج کو روانہ ہوتی ہیں، تو برقع جہاز میں اتار کر رکھ دیتی ہیں اور اسی باریک دوپٹہ سے جہاز میں، بازاروں میں او رحرم شریف میں گھومتی پھرتی ہیں اور سینکڑوں مردوں کی بھیڑ میں بال چمکاتی ہوئی، منھ دکھاتی ہوئی، بڑی چادر لیے بغیر اور برقع اوڑھے بغیر گھسی چلی جاتی ہیں، جیسے یہ سب لوگ ان کے باپ بھائی ہیں، پہلے تو یہی رونا تھا کہ عورتیں جیٹھ، دیور اور ماموں زاد، پھوپھی اور چچا زاد لڑکوں کے سامنے چہرہ کھولے آجاتی تھیں، جو شرعاً گناہ ہے، مگر اب چہرہ چھوڑ بارک کپڑے پہن کر اوپر کا پورا یا آدھا بدن سب کے سامنے کھولے پھرتی ہیں اور برقع میں نقاب ایسا اختیار کر لیا ہے، جو خوب باریک جالی کا ہوتا ہے اور پورا چہرہ راستہ کے چلنے والوں کو نظر آتا ہے، یہ سب باتیں شرعاً سخت گناہ ہیں۔

عورت کی نماز درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے چہرے اور گٹوں تک دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ڈھکا ہوا ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر عورتوں کی نماز اس لیے نہیں ہوتی کہ سر پر ایک ایسا باریک دوپٹہ ہوتا ہے جس سے بال نظر آتے ہیں اور بعض عورتوں کی نماز اس لیے نہیں ہوتی کہ باہنیں (بازو) کھلی ہوتی ہیں یا اگر ڈھا کی ہوئی ہیں تو اسی بارک دوپٹہ سے ڈھانک لیتی ہیں جس سے سب کچھ نظر آتا ہے، بعض عورتیں ساڑی باندھتی ہیں اور

بلاوزا اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ناف پر ختم ہو جاتا ہے، اور آدھا پیٹ نظر آتا ہے، اس سے نماز نہیں ہوتی، اس کو خوب سمجھ لیں اور دنیا کے رواج کو نہ دیکھیں، شریعت کو دیکھیں، دنیا میں تھوڑی سی گرمی کی تکلیف ہو ہی گئی، اور فیشن والیوں نے کچھ کہہ ہی دیا تو اس سے کیا ہوتا ہے، جنت کے عمدہ کپڑے تو نصیب ہوں گے، جہاں سب کچھ نفس کی خواہش کے مطابق ہوگا۔ (تحفہ خواتین ۲۶۷)

کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی:

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق ایک پیشین گوئی فرمائی کہ (کچھ) ایسی عورتیں موجود ہوں گی، جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی، لیکن پھر بھی ننگی ہوں گی، یعنی اس قدر باریک کپڑے پہنیں گی، کہ ان کے پہننے سے جسم چھپانے کا فائدہ حاصل نہ ہوگا، یا کپڑا باریک تو نہ ہوگا مگر چست ہونے اور بدن کی ساخت پر کس جانے سے اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہوگا، بدن پر کپڑے ہونے اور اس کے باوجود ننگا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو، اور جیسا کہ یورپ (اور ایشیاء کے بعض شہروں مثلاً، بمبئی، کلکتہ، رنگون، سنگاپور وغیرہ) میں ایسا لباس پہننے کا رواج ہے، کہ گھٹنوں تک قمیص یا فراک ہوتا ہے، آستین یا تو ہوتی نہیں یا اس قدر کوتاہ ہوتی ہے کہ مونڈھے سے صرف دو چار انچ ہی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، پنڈلیاں بالکل ننگی ہوتی ہیں اور سر بھی دوپٹہ سے خالی ہوتا ہے اور فراک کا گلا آگے اور پیچھے سے اس قدر فراخ اور چوڑا ہوتا ہے کہ نصف کمر اور نصف سینہ نظر آتا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ یہ عورتیں (غیر مردوں کو) اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی یعنی ننگا ہونے کا رواج مفلسی کی وجہ سے نہ ہوگا؛ بلکہ مردوں کو اپنا بدن دکھانا اور ان کا دل لبھانا مقصود ہوگا اور لبھانے کا دوسرا طریقہ یہ اختیار کریں گی، کہ اپنے سروں کو (جو دوپٹوں سے خالی ہوں گے) مٹکا کر چلیں گی، جس طرح اونٹ کی پشت کا بالائی حصہ (جسے کوہان کہتے ہیں) تیز رفتاری کے وقت زمین کی طرف جھکا کرتا ہے، اونٹ کے کوہان سے تشبیہ دے کر یہ بتلایا کہ وہ عورتیں بالوں کو پھلا پھلا کر اپنے سروں کو موٹا کریں گی۔

فیشن کی بری وبا:

فیشن کی وبا نے بڑے بڑے معزز اور شریف خاندانوں کی عورتوں کو نصرانی لیڈیز (انگریز عورتوں) یہودیوں اور فلم کمپنیوں میں کام کرنے والی ایکٹرسوں کی تقلید پر آمادہ کر دیا ہے، سنیما دیکھنے سے جہاں اور بہت سے گناہ اور نقصانات ہیں، وہاں ایک یہ بھی ہے کہ نوخیز لڑکیاں اور جدید تہذیب کی دیوانی عورتیں سنیما میں کام کرنے والی بے شرم اور بے حیا عورتوں کا لباس پہن کر اور ان کے افعال وحرکات سیکھ کر آتی ہیں اور پھر ان کی وضع بنانے اور نقل اتارنے میں فخر سمجھتی ہیں، آج کل کی بہت سی عورتیں طرح طرح سے غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی تدبیریں کرتی ہیں، مثلاً برقع پہن کر باہر نکلیں اور ہاتھوں کو باہر نکال دیا، برقع کا نقاب اتنا چھوٹا رکھا کہ دونوں طرف کے رخسار صاف نظر آسکیں، یا ایسا باریک نقاب برقعہ میں لگایا جو خدو خال اور حسن وجمال کو اور بھی نمایاں کردے اور خود برقعہ ہی اب بجائے پردہ کے کشش کا سامان بن گیا ہے، برقعہ پر پھولوں کا بنانا، چمکدار یا باریک کپڑے کا برقعہ ہونا، بدنفس لوگوں کو برقع والی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، برقعے کیا ہوئے پردے کے بجائے نظروں کے کھینچنے کا سامان بن گئے اور وہی مثل ہوگئی کہ جو نہ دیکھے وہ بھی دیکھے۔ العیاذ باللہ

آج کل ناچ بہت معزز کام سمجھا جانے لگا ہے، اسکولوں اور کالجوں میں اس کی باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے، کلبوں اور بڑے بڑے، ہوٹلوں میں ننگے ناچ ہوتے ہیں، یورپ کے بے نفس پرستوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہر عورت اپنے شوہر کے سوا غیر مرد کے ساتھ ناچے جو عورت اس کے خلاف کرے گی وہ اس کی سوسائٹی میں بدترین سمجھی جائے گی۔

افسوس ہے مسلمانوں پر کہ یورپ کے حیاؤں کے طریقوں پر چلنے کو ترقی اور کامیابی سمجھنے لگے ہیں، ناچ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا سب سے زیادہ کامیاب ذریعہ ہے، اس سے جنسی ابھار ہوتا ہے اور یہ بے حیائی کے پورے مراتب ومنازل طے ہونے کا ذریعہ ہے۔ (تحفہ خواتین ص ۲۶۹)

☆☆☆☆☆

صورت حال

اسلام ہی دنیا میں امن قائم کرسکتا ہے

مولانا فتح محمد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے حالات حد درجہ مایوس کن ہیں، آج مغربی طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہوکر اسلام اور مسلمانوں کو ہر اعتبار سے کمزور کرنے پر آمادہ ہیں اور اپنی طاقت وقوت کو اسلام کے خلاف استعمال کررہی ہیں ان کی شب وروز کی فکر یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے کسی طرح ختم کردیں اور ایسے کیا طریقے اپنائے جائیں جس سے اسلام اپنی قسمت کا ماتم کرنے پر مجبور ہوجائے، کیونکہ ابتدا ہی سے باطل کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ حق کو کامیاب دیکھ کر وہ ظلم وزیادتی پر اتر آتا ہے اور اس کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج اسلام کی ترقی کو دیکھ کر وہ نہ صرف آپے سے باہر ہے؛ بلکہ ہر دن اسلام کے خلاف نئی نئی شازیں اور نئے نئے طریقے اپنا رہا ہے، اس کے اس عمل کے پیچھے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں سے ان کی فکر، ان کی تہذیب وتمدن اور ان کے عقائد کو اس طرح سلب کرلیا جائے، کہ پھر ان کے اندر اپنے تحفظ وبقا کے لیے کوشش کرنے کی سکت باقی نہ رہے۔

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ ۱۱/ستمبر کے واقعہ کے بعد مغربی طاقتوں نے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر پوری دنیا میں یہ تصور قائم کرنے کی کوشش کی تھی کہ آج اسلام اور مسلمان سے پوری دنیا کو خطرہ لاحق ہے، اس لیے ان کے خلاف جلد ہی کوئی اقدام کیا جانا چاہئے، یہ جھوٹا پروپیگنڈا اتنا بڑھا چڑھا کر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا کہ ہر آدمی یہ یقین کر بیٹھا کہ موجودہ وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے اس خطرے سے بچنے کے لیے ان کا دفاع کیا جانا لازمی ہے، ورنہ آنے والا دن ان کے حق میں بہتر نہیں ہوسکتا، اس لیے ۱۱/ستمبر کے حملے کے رد عمل کے طور پر جب سب سے پہلے امریکہ نے افغانستان میں ظلم وبربریت کا ننگا ناچ ناچا اور عام لوگوں کے جذبات واحساسات کو الٹی سیدھی منطقوں سے مطمئن کرنے اور اپنے اس عمل کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کی تو عوام کی اکثریت امریکہ کی ہمدردی میں اس کے اس عمل کو جائز قرار دینے پر مجبور ہوگئی اور واشنگٹن پوسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً اسی فیصد لوگ اس بات کے اظہار پر آمادہ ہوگئے، کہ دنیا کو درپیش ان خطرات سے نمٹنے کے لیے امریکہ جو کچھ کررہا ہے، یہ اس کا حق ہے، جس سے اس کو کوئی روک نہیں سکتا، ظاہر سی بات ہے کہ یہ پورا کا پورا کھیل مغربی میڈیا کے پھیلائے ہوئے جھوٹے پروپیگنڈے پر مبنی تھا اور اسی کے سہارے سے دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی جارہی تھی، الغرض مکمل جھوٹ پر مبنی مغربی میڈیا نے ان باتوں کو ایسے منظّم انداز سے پیش کیا کہ عام لوگ متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، یہی وجہ تھی کہ اس بات کو بار بار منظر عام پر لایا گیا کہ گیارہ ستمبر کے واقعہ میں اسامہ، ملا عمر اور اس کی تنظیم کا ہاتھ ہے اور یہی وہ جماعت ہے جو دنیا کے امن کو پامال کررہی ہے، ایسی صورت حال میں بھلا انسانیت کا دشمن امریکہ کیسے خاموش رہتا چنانچہ اس واقعہ کے بعد اس نے کھل کر سب سے پہلے افغانستان کو نشانہ بنایا، اپنی وحشیانہ حرکتوں سے اس کے ہرے بھرے سرسبز وشاداب زمین کو دیکھتے ہی دیکھتے تہ وبالا کردیا، یہ عجلت پسندانہ طرز عمل صرف اس وجہ سے اختیار کیا گیا کہ اس سرزمین پر ہمیشہ اسلامی فکر کی پرورش ہوتی رہی اور ان دنوں اس سرزمین سے پوری دنیا کو اسلامی رنگ میں رنگنے

کے لیے اقدامات ہو رہے تھے، ابھی افغانستان کا زخم بھرا بھی نہ تھا کہ اس ظالم نے یکا یک غیر قانونی طور پر بلا کسی جرم کے عراق کو اپنی ہوس کا نشانہ بنالیا اور پھر اس کے بعد عراق کے اندر ظلم واستبداد کی ایسی تاریخ رقم کی جسے قیامت تک بھلایا نہیں جاسکتا، یہ وہ جگہ تھی جہاں سے نسل انسانی کی رہبری کے لیے ہدایت کے چشمے پھوٹے تھے اور بہت سے انبیاء ورسل کے قدم اس مبارک سرزمین پر پڑے تھے اور یہی ان کا مسکن رہا، لیکن انسانیت کے دشمنوں نے اس سرزمین کو بھی خاک آلود کردیا اور آج وہاں کے حالات یہ ہیں کہ ہر آنے والا دن وہاں کے عوام کے لیے ایک نئی مصیبت کو لے کر نمودار ہو رہا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ تقریباً دو صدیوں سے دنیا کی سیادت وقیادت مغربی طاقتوں کے زیر سایہ ہے اور اس طویل مدت تک حکمرانی کے سبب ان کو یہ گمان ہونے لگا ہے کہ اب اس دنیا کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھوں میں آ گئی ہے، اس کو کوئی جنبش نہیں ہوگی، حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس سے پہلے اس دنیا کے اندر بڑی بڑی قومیں اور بڑی بڑی طاقتیں رہ کر جاچکی ہیں، جن کے نشانات آج بھی ان کی گواہی دیتے ہیں، ان کو دیکھ کر بھی یہی گمان ویقین ہوتا تھا کہ اب دنیا سے ان کا وجود ختم نہیں ہوگا، قیامت تک اس دنیا کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھوں میں رہے گی، لیکن بالآخر ان کا انجام بھی عبرت ناک ہوا اور وہ بھی اس دنیا کے اندر زیادہ دنوں تک نہ رہ سکیں قوم عاد، قوم ثمود اور اصحاب ایکہ وغیرہ جنھوں نے پہاڑوں کو تراش کر اپنے لیے مکانات بنائے اور ایک وقت میں ان کی حکومت کا شہرہ اور چرچہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، اس وقت انہوں نے بھی شاید یہی گمان کیا تھا کہ اب اس دنیا پر قیامت تک ہماری حکمرانی رہے گی اور کبھی اس پر زوال نہیں آئے گا، مگر دنیا نے دیکھا اور تاریخ نے محفوظ کیا کہ وہ طاقتیں بھی پیوند خاک ہوگئیں اور اللہ رب العزت نے ان کو آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنادیا، پھر یکے بعد دیگرے اس دنیا کے اندر بڑی بڑی طاقتیں نمودار ہوئیں، مگر ان کی غلط روش اور ناجائز طرز عمل کے نتیجے میں اللہ رب العزت نے ان کو قصہ پارینہ بنادیا۔

آج مغربی طاقتوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی طاقت اور قوت کا غلط استعمال کررہی ہیں اور اس دنیا کے نظام کو اپنے من مانی طریقے پر چلانا چاہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی مجازی طاقت کو اپنی مذموم مقصد کے لیے استعمال کررہی ہے، حالانکہ ان کو یہ بات معلوم ہے کہ اس دنیا کا نظام بدلتا رہتا ہے، آج اس کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھ میں ہے، تو کل کسی اور کے ہاتھ میں ہوگی۔

ادھر جب سے اس دنیا میں استعماری طاقتوں کا غلبہ ہوا ہے انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنا تسلط دیرپا کرنے کے لیے ظلم وبربریت کے ذریعہ ایسی تاریخ رقم کی ہے جس کے آثار صدیوں تک اس دنیا پر دیکھے جائیں گے اور تاریخ سے ان کو کبھی فراموش بھی نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کے باوجود مغربی طاقتوں نے مسلمانوں کے خلاف جتنی بھی جنگیں لڑی ہیں ان میں ہمیشہ غلبہ اسلام اور مسلمانوں کا ہی رہا اور ہر مرحلہ میں ان کو ہی کامیابی وسرخروئی حاصل رہی، مثلاً سب سے پہلے افغانستان کو لے لیجئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی طاقت جس نے ایک وقت میں روس جیسی سپر طاقت کو ایسی شکست دی تھی جسے تاریخ کا ادنی سا حامل انسان بھی جانتا ہے، پھر اس کے بعد امریکہ نے سب سے پہلے افغانستان اور پھر اس کے بعد عراق کو اپنا تجربہ گاہ بنایا، ان دونوں مقامات کے بارے آپ خود ہی فیصلہ کرسکتے ہیں، کہ وہاں فتح کس کو حاصل ہوئی اور کامیابی کس کا قدم چوم رہی ہے۔

آگے چلئے تو حال ہی میں امریکہ نواز اسرائیل نے لبنان پر حملہ کرکے جس ذلت ورسوائی کا سامنا کیا، وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہے، غرض یہ کہ اس دنیا پر ہمیشہ اسلام ہی کا غلبہ رہا ہے اور رہے گا؛ کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس کے سائے تلے پوری دنیا محفوظ رہ سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

دست قدرت نے سموئے ہیں اجالے مجھ میں
جب ضرورت ہو چراغوں کی جلالو مجھ کو

لمحۂ فکریہ

چندروزہ زندگی

مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: "کن فی الدنیا کانك غریب اوعابر سبیل" دنیا میں اپنی زندگی کسی غریب الوطن یا راہ رو کے مانند بسر کرو (بخاری)

ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور خود کو ان لوگوں میں شمار کرو جو قبروں میں پہنچ چکے ہیں، یعنی ہر وقت آخرت کا تصور مستحضر رہے، تا کہ ایک صالح اور پاکیزہ زندگی اپنا سکو، ایسی زندگی جس کی آرزو ہر مرنے والے کے دل میں پیدا ہوتی ہے، لیکن مرنے کے بعد اس کی تکمیل ناممکن ہوجاتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے اس حقیقت کی جانب ہماری رہنمائی ہوتی ہے کہ موجودہ زندگی ہمارے سفر کا انتہائی نقطہ نہیں؛ بلکہ ایک ایسا عبوری دور ہے جس کے ختم ہونے کے بعد ہمیں اصل زندگی حاصل ہوگی جسے ہم اخروی اور ابدی زندگی سے تعبیر کرتے ہیں" افحسبتم انما خلقنا کم عبثاوانکم الینا لا ترجعون"(قرآن کریم)

کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری جانب نہ لوٹائے جاؤ گے، ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں انسان کی حیثیت صرف ایک غریب الوطن اور راہ رو جیسی ہے، جیسے پردیسی اپنے اہل وعیال اور وطن میں پہونچ کر ہی سکون محسوس کرتا ہے، اسی طرح مسافر آخرت کی منزل سے اس وقت حقیقی مسرت سے ہمکنار ہوں گے جب کہ موجودہ سفر ختم ہوجائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ راہ کی نظر فریبیوں سے متاثر نہ ہو اور دنیوی لذتوں میں مبتلا ہونے کے بجائے خدا کی بندگی اور اس کے ساتھ قلبی تعلق کی استواری میں اپنا وقت صرف کریں، یہی ہماری موجودہ زندگی کا مقصد ہے، پروردگار عالم فرماتا ہے "وماخلقت الجن والانس الالیعبدون" جن وانس کی تخلیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں (مفہوم آیت) اگر ہم نے پروردگار عالم کے ساتھ اپنا قلبی رابطہ برقرار رکھا تو آخرت کے لیے ہماری جدوجہد کا تسلسل برقرار رہے گا اور دنیوی علائق ہمارے قلب کو غافل نہ کرسکیں گے۔

وہی مسافر آسانی کے ساتھ اپنا سفر پورا کرسکتا ہے، جو خود کو غیر ضروری بوجھ سے سبکدوش کرلے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"انما یکفی احدکم من الدنیا زاد الراکب" تم میں سے ایک شخص کے لیے دنیا کے مال ومتاع میں سے اس قدر کافی ہے جتنا ایک سوار (مسافر) بطور زادراہ اپنے ساتھ لیتا ہے۔

اگر ہم نجات آخرت کے خواہاں اور ابدی مسرتوں کے طالب ہیں تو ضروری ہے کہ دل ودماغ کو آخرت کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رکھیں اور جدوجہد کرتے رہیں، کیونکہ قیامت کے دن وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو آخرت کے بارے میں ہمیشہ فکرمند اور خائف رہتے ہیں۔

زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم، چہچہایا اڑ گیا

اخلاقیات

رشتہ جب ٹوٹتا ہے......

محمد بدرالدین قاسمی دارالعلوم بلالیہ، جموں

اللہ تعالی نے انسان کو ایک مضبوط نظام حیات اور مربوط رشتوں کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے، ہر ایک دوسرے سے کسی نہ کسی رشتے وناطے کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اگر کوئی رشتہ نہ بھی ہو تو انسانیت وآدمیت کا رشتہ کیا کچھ کم ہے؟

انسانی رشتے سبھی اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں؛ لیکن سب سے پہلا رشتہ جو انسانوں کے درمیان قائم ہوا وہ میاں بیوی کا رشتہ تھا، اللہ تعالی نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ان کو زمین پر بھیجنے سے پہلے کچھ عرصہ کے لیے خاص مصلحت کے تحت جنت میں رکھا، ایک عرصہ تک تنہا زندگی بسر کرتے رہے، مگر جنت کے راحت وآرام، وہاں کے سکون اور اس جگہ کی لذتوں کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے ایک کمی محسوس کی، ایک ساتھی اور ہمدم کی کمی، یہ رفاقت کی طلب اور ایک مونس وہمدم ہونے کی خواہش، دراصل انسانی فطرت کی پکار تھی، بارگاہ الہی میں درخواست کی، درخواست منظور ہوئی "وخلق منها زوجها" اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔

یہ جوڑا مرد کی شکل میں نہیں بلکہ مرد کا جوڑا عورت کی شکل میں، یہ بھی انسانی فطرت کے عین مطابق تھا کہ مرد کی رفاقت کے لیے اس کا جوڑا عورت ہوسکتی ہے، غرض یہ کہ حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کا رفیق زندگی بنا دیا اور اسی طرح پہلا انسانی رشتہ میاں بیوی کا قائم ہوا، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اس کو اپنی ایک نشانی اور قابل قدر نعمت کے طور پر بیان فرمایا "ومن آيته ان خلق لكم من انفسكم ازواجاً لِتَسكُنُوا إلَيها وجَعَلَ بينكُمْ مَوَدَّةً ورحمةً" اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کردی۔

یہ رشتہ بڑی تمناؤں سے بنتا ہے، بڑا رچاؤ ہوتا ہے، دونوں کے دلوں میں نہ جانے کتنی تمنائیں انگڑائیاں لیتی ہیں، کیسے کیسے خواب دیکھے جاتے ہیں، دونوں میں جذبات کی کیا روانی ہوتی ہے، کس قدر امیدیں باندھی جاتی ہیں جب جا کر دو شخصیتوں کو ایک قالب میں ڈھالا جاتا ہے، دو اجنبی خاندانوں میں محبت ومؤدت کا رشتہ قائم ہوتا ہے، دونوں کے درمیان کی دوری اور فاصلے سمٹ جاتے ہیں، جانبین سے آمدورفت کا ایک قابل رشک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، افرادوں میں ہم آہنگی اور اپنائیت پیدا ہوجاتی ہے، یوں ایک خاندان پھولتا پھلتا نظر آتا ہے، لیکن یہ رشتہ بڑا عجیب رشتہ ہے، بڑا مضبوط بھی اور نہایت کمزور بھی، دو شخصیتیں ہیں، مرد اور عورت، ہر ایک کی اپنی اپنی طبعی، فطری اور مزاجی خصوصیات ہیں، دونوں کی پسند ناپسند ہر معاملہ میں ایک ہو ضروری نہیں ہے، اس لیے غور کا سب سے اہم پہلو وہ ہے جس کی طرف قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے "وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالمَعْرُوْفِ فِان كَرِهْتُموْهُنَّ فَعَسى اَنْ تكرهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلُ اللّٰهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً (النساء)

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہوئے زندگی گزارو، اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو (تمہارے عمدہ رویئے میں فرق نہ آئے) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالی اس میں بہت زیادہ

خیر وبرکت کا سامان رکھ دے۔

ہر انسان میں چاہے وہ مرد ہو یا عورت، کچھ باتیں اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہیں اور کچھ نہ کچھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں یہ ممکن نہیں کہ عام انسان میں خوبیاں ہی خوبیاں ہوں اور یہ بھی نہیں کہ صرف کمزوریاں ہی کمزوریاں ہوں، خوبی اور کمزوری ملی جلی ہوگی، نقطۂ نظر یہ ہونا چاہئے کہ خوبیوں پر نگاہ ہو اور کمزوریوں کو نظر انداز کردیا جائے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی خوب ارشاد فرمائی ہے ”عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایفرک مومن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر“ (مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اپنی مومن بیوی سے بغض نہیں رکھ سکتا، اگر اس کی ایک خصلت بری محسوس ہوگی تو دوسری عادت اسے پسند آئے گی، یہی ایک صورت ہے جس سے شادی کا رشتہ قائم بھی رہ سکتا ہے اور خوشگوار بھی بن سکتا ہے۔

دراصل ”ایڈجسمنٹ“ (Adjustment) اجتماعی زندگی کا بنیادی اور فطری اصول ہے، اگر آپ ایڈجسٹمنٹ نہیں کرسکتے تو کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتے، اس لیے کہ ایک ساتھ رہنے میں کچھ تلخیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں، اگر شروع ہی میں افہام وتفہیم اور درگزر سے کام نہیں لیا گیا تو یہ بڑھتے بڑھتے کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے، اس میں کبھی کوتاہی مرد کی ہوتی ہے اور کبھی عورت کے رویے کا دخل ہوتا ہے، مرد چوں کہ ازدواجی ادارے کا نگراں ہے، اس لیے اسے بہت سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانا پڑتا ہے، اگر وہ ہر وقت اپنی برتری اور فوقیت کو استعمال کرے تو کام بگڑ جائے گا؛ بلکہ اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس قیمتی اور نسلی رشتے کی حفاظت کرے۔

اگر ازدواجی تعلقات تلخ ہونے لگے اور عورت کا رویہ کسی بھی اعتبار سے غلط ہے تو تعلقات کی دشواری کے لیے قرآن کریم نے بالترتیب چار ہدایتیں دی ہیں، اولاً سمجھانا بجھانا، اگر یہ کارگر نہ ہو تو خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑنا، یوں بھی بات نہ بنے تو ہلکی سی تنبیہ کی بھی گنجائش ہے، اب بھی کام نہ چلے تو جانبین کی طرف سے ثالثی مقرر کرکے سمجھدار لوگوں کے سامنے معاملہ رکھا جائے، بات بننے والی ہے تو اتنی تدبیروں کے بعد بات بن جائے گی، تعلقات ٹھیک ہوجائیں گے، ورنہ شریعت کی نظر میں قائم شدہ رشتوں کا توڑنا کوئی اچھی بات نہیں، اس لیے کہ اس سے نہ صرف دو دل جدا ہوتے ہیں؛ بلکہ دو خاندان دو گھرانیں اجڑ جاتے ہیں، رشتہ کا بکھرنا بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے اس ایک مسئلہ سے سینکڑوں مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں، دوخاندانوں میں رنجش وعداوت، ان کے مابین تلخیاں، بچے ہیں تو ان کا مسئلہ، غرض یہ کہ معمولی سی کوتاہی خانہ آبادی خانہ بربادی بن جاتی ہے، اس لیے اس موقع پر بڑی سمجھداری سے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔

/////☆☆☆☆////

قلم کار حضرات متوجہ ہوں

ماہنامہ ”نقوش اسلام“ کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، دعوتی اور تاریخی مضامین ارسال فرما کر دعوت وارشاد اور اصلاح معاشرہ کے اس کار خیر میں اپنا حصہ بنائیں اور ثواب کے مستحق ہوں، مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں، مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں، مضامین میں حوالہ جات کا خصوصی لحاظ رکھیں، مضامین کی اصلی کاپی ہی ارسال کریں، فوٹو اسٹیٹ اپنے پاس محفوظ رکھیں، مضامین ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں واپس کرنے سے ادارہ معذور ہوگا۔ (ادارہ)

قرآن کریم کا اعجاز

حافظ محمد امتیاز رحمانی جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر

قرآن مجید صحیفہ ربانی، وحی الٰہی اور کلام خداوندی ہے اور آخری دین اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری شریعت کا انتہائی جامع، مکمل دستور حیات ہے، اس لیے صاحب کلام نے اپنے پاک کلام کی حفاظت، بقاء اور قیامت تک محفوظ رکھنے کا ایسا منظم اور مربوط نظام مقرر کیا ہے کہ یہ کتاب الٰہی زمانہ کے دست برد اور بدنیتوں کی تحریف وتبدیل سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گی، ورنہ کم وبیش ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے، یا تو ان میں سے کسی کا سراغ نہیں ملتا اور اگر کسی کتاب کا تذکرہ ملتا ہے تو وہ تحریف وتبدیل سے بچی ہوئی نہیں ہے، ان کتابوں کے پاک ذخیروں میں صرف اور صرف قرآن مجید ہی وہ کتاب ربانی ہے، جو عالم بسیط پر جس طرح اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اسی طرح بے کم وکاست زیروزبر کے فرق کے بغیر پندرہ سو سال کے طویل عرصہ کے گزر جانے کے باوجود محفوظ ومامون ہے، نہ جانے اس کتاب کو لفظی ومعنوی تحریفات کے ذریعہ فسخ کرنے کی کیسی کیسی تدبیریں کی گئیں اور مسلمانوں کے اساس دین کی اصلی شکل وصورت کو بگاڑنے کے لیے کیا کیا اقدامات کئے گئے لیکن:

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع یا بجھے جسے روشن خدا کرے

قرآن مجید جہاں اپنی لفظی ومعنوی حیثیت سے معجزہ ہے، وہیں ہر طرح کے تصرفات وتحریفات سے پاک وصاف رہنا یہ بھی اس کا زندہ معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن مجید کے لیے انسانوں کے سینہ کو براہ راست سفینہ بنایا جس کے بار امانت کو آسمان اپنی بلندیوں، زمین اپنی وسعتوں، پہاڑ اپنی طاقتوں کے باوجود عزمعذرت کردی تھی، مگر حضرت انسان نے اپنی ضعف وناتواں کے باوجود عزم وہمت کی بنا پر قرعہ فالی بنام دیوانہ زدند۔

قرآن مجید کی حفاظت کا خداوندی اعلان ہے اور وعدہ بھی، اسی کا یہ ثمرہ ہے کہ اتنی عظیم وضخیم کتاب کو سات سال سے پندرہ سال کی عمر تک کے بچے اس کو سینہ میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طور پر وہ ذہن نشیں ہوجاتا ہے کہ انسانی ذہن کمپیوٹر سے بھی زیادہ کام کرتا ہے۔

اس لیے اس کتاب الٰہی کو یاد کرنے والے (جن کو ہم اپنی اصطلاح میں حافظ قرآن کہتے ہیں) کی عظمت، رفعت اور قدر ومنزلت غیر معمولی ہے، حدیثوں میں آتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عامل قرآن اور حامل قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور آگے بڑھتا جا، تمہاری منزل وہی ہے جہاں آیت قرآن ختم ہوگی، اس حدیث سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جنت کے کس اونچے مقام پر ان کو جگہ عنایت کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حفظ قرآن کی برکت سے اس کے حامل کو یہ اعزاز بخشا جائے گا کہ وہ نبیوں کی طرح اپنے خاندان کے ایسے دس لوگوں کو جہنم سے جنت میں لے کر آئے گا جن کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات سے آپ حضرات بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے تحفظ وبقاء کے لیے جو غیبی اور انسانی انتظام کے گئے ہیں، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تک وہ محفوظ ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔

found.

چند اصلاحی باتیں

قاضی سید حسین احمد، مظفر آباد

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ایک بار حضور محسن انسانیت فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص سے واقف ہو جو اپنے وارثوں کے مال کی حفاظت کررہا ہے، تین بار ارشاد فرمایا، صحابہ کرام نے نفی میں جواب دیا، جس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنے وارثوں کے مال کی حفاظت کررہا ہے، یعنی تمہارا تو صرف وہ ہے جو کھالیا، پہن لیا، خیرات کردیا، کھانا اور لباس تو دنیا ہی میں ختم ہوگیا، البتہ خیرات ایسی چیز ہے کہ جس کا اجر آخرت میں ملے گا۔

ان تینوں صورتوں کے علاوہ جو کچھ بھی مال، اسباب جائیداد وغیرہ ہے وہ سب وارثوں کے لیے ہے اور ہر انسان اپنے وارثوں کے مال کی حفاظت کررہا ہے، نہ صرف حفاظت؛ بلکہ جائز ناجائز، حرام حلال کا فرق مٹا کر اس میں رات دن اضافہ کررہا ہے۔

انجام پر نگاہ نہیں بس ایک حرص ہے، یہی فکر ہے کہ مالدار ہوجاؤں، خواہ کسی صورت سے ہو اور کوئی نتیجہ نکلے، حد یہ ہے کہ انتہا درجہ غلط اور تعلیمات اسلامی کے منافی ایسے آدمی کو بڑا آدمی کہا جاتا ہے، یعنی جتنا دولتمند ہے اتنا ہی وہ بڑا ہے، عام طور پر تحریر و تقریر میں لوگ روزمرہ کہتے ہیں کہ فلاں بڑا آدمی ہے، یعنی بڑا دولتمند ہے حالانکہ بڑا وہ ہے جو ایمان دار اور تقوی میں بڑا ہو، کیونکہ اللہ تعالی کے نزدیک صرف اہل تقوی بڑے آدمی ہیں، یعنی ان کا اکرام وعزت ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (ترجمہ) بالتحقیق اللہ کے یہاں اس کی بڑی عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ (الحجرات ۲۶/۲)

مال و دولت تو محض انسان کو امتحان اور آزمائش کے لیے دی گئی ہے، کہ وہ اسے اللہ کی امانت سمجھ کر اس کی منشاء کے مطابق خرچ کرتا ہے یا اس کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرکے خیانت کرتا ہے۔

غرض کہ ہم اپنی کسی شے پر اپنی مرضی و منشاء کے مطابق خرچ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ ہماری حیثیت امین کی ہے اور ہمیں مالک کی ہدایت کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

انعام: دولت، روپیہ، پیسہ بھی ہے، صحت اور قوت بھی، وقت بھی اور قوت عمل بھی، تمام نعمتیں جو ہمیں عطا فرمائی گئی ہیں، ہم ان سب کے امین ہیں ان کو خرچ کرنے کے لیے ہمیں مالک کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہوگا، چونکہ اللہ جل شانہ نے تمام انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذریات ۲۷/۳)

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان تو اس لیے پیدا کئے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔

مصرف: دنیاوی دولت کا سب سے بہترین مصرف خدمت خلق اور تبلیغ دین ہے، اس میں جسمانی، زبانی، عملی اور مالی ہر قسم کی دولت خرچ کی جاسکتی ہے، دامے، درمے، قلمے سخنے، قدمے غرض کہ ہر صورت میں خدمت خلق اور تبلیغ دین ہونی چاہئے۔

خدمت خلق: خدمت خلق افضل عبادتوں میں سے ہے، جو شخص صرف اللہ تعالی کی خوشنودی کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اسے اللہ تعالی زیادہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہے، اسی لیے انبیاء و اولیاء اس معاملہ میں پیش پیش رہے ہیں، اکابرین سلف میں ہر شخص خدمت خلق کا بذات خود ایک ادارہ ہوتا تھا اور قرون اولی میں ہر مسلمان اس سلسلہ میں

ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتا تھا، کیونکہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ تو فرائض ہیں، اس سے فارغ وقت میں جتنا ہو سکے، خدمت خلق کا بڑا ثواب ہے، جس طرح ہم اس ملازم کو اچھا سمجھتے ہیں جو ہماری اولاد کو زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اس کی دیکھ بھال خوب نگہداشت کرتا ہے، اسی طرح اللہ جل شانہ بھی اسے محبوب رکھتے ہیں، جو اس کے بندوں کے زیادہ کام آتا ہے۔

تبلیغ دین : تبلیغ دین بھی ایک فرض کفایہ امر ہے اور جب لا دینی عام ہو جائے تو اس وقت یہ فرض عین ہو جاتا ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب لا دینی عام ہو جائے تو دین کو رواج دینے کے لیے ایک پیسہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں لاکھوں خرچ کرنے کے برابر ہے۔

آزمائش : قرآن کریم میں خدمت خلق و تبلیغ دین کے متعلق واضح احکامات موجود ہیں کہ یہ دولت کا بہترین مصرف ہیں، اس کو جمع رکھنا اس کی محبت میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے، کیونکہ بموجب احکام ربانی:

اِنَّمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ (تغابن ۲/۲۸)

ترجمہ: تمہارے اموال و اولاد بس تمہاری آزمائش کے لیے ہیں۔

اس ارشاد ربانی کے ذریعہ ان لوگوں کی غلط فہمی دور کی گئی ہے، جو بذات خود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مال و دولت ان کو عیش و عشرت کے لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں، حالانکہ ان نعمتوں کے ذریعہ حق تعالیٰ ان کو آزماتا ہے، کہ وہ انھیں اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق خرچ کرتا ہے، یا اس کے لیے اس نے جو شرائط یا حدود مقرر کی ہیں، ان کے مطابق استعمال کرتا ہے، کیونکہ مال و اولاد کا اگر صحیح استعمال کیا جائے تو یہ بھی عبادت میں داخل ہے اور ایسے لوگوں کے لیے ''وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ''(تغابن) اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

لیکن اگر ان سے غلط اور بے جا قسم کا کام لیا گیا تو یہی ہمارے حق میں مصیبت بن جائیں گے۔

خیرات : دولت کے صحیح مصرف کا اندازہ اس تاکید سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے، کہ خدا کی راہ میں وہ چیز دو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہو۔

عام طور پر انسان کے نزدیک مال و دولت ہی سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ : (سورہ نساء)

''جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے، نیکی میں ہرگز کمال حاصل نہ کر سکو گے''۔

محبوب چیز کے تحت ہر وہ چیز آتی ہے، جسے انسان عزیز رکھتا ہے، جیسے مال و دولت، عزت و حکومت، وقت اور قوت وغیرہ اس کے ساتھ مقدار خیرات وصدقات کا تعین فرمادیا کہ: ''وَيَسۡـَٔـلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ''(بقرہ ۲۷) لوگ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ خیرات میں کتنا خرچ کریں آپ فرمادیجئے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔

یعنی اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہوا اور اپنے ضروری اخراجات میں تنگی نہ ہو، اس کے بعد جو کچھ بچے وہ دینے والے کی امانت ہے، وہ اس کے مستحقین میں تقسیم کر دی جائے اور پھر اس خرچ کا نہ اللہ پر احسان جتاؤ، اور نہ ان پر احسان جتاؤ جن پر خرچ کرو، کیونکہ یہ تو سراسر تمہاری بہتری کے لیے ہے''وَاَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ ''(تغابن ۲۸/۲) اور اپنی بہتری کے لیے خرچ کرتے رہو۔ یعنی آخرت والی بہتری کے لیے خرچ کرتے رہو، جتنا خدا کی راہ میں خرچ کرو گے، اتنی ہی بہتری ہوگی۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں سے کس قدر محبت فرماتے ہیں، کس قدر اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی چیز اپنی عطا اور اپنے ہی غلام سے خطاب اور کتنی عزت اور اخلاق کے ساتھ فرماتے ہیں: ''اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعِفۡهُ لَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡؕ وَاللّٰهُ شَكُوۡرٌ حَلِيۡمٌ:''(التغابن ۲)

اگر اللہ کی راہ میں اخلاص و نیک نیتی سے مال خرچ کر کے تم اللہ کو اچھا قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتا رہے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اللہ بڑا قدر داں، بردبار ظاہر و باطن کو جاننے والا اور زبردست حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ دولت دنیا اپنے غلام مخلوق سے خود ہی قرض

طلب فرماتے ہیں، وہ بھی صرف اسی لیے کہ اس میں اضافہ فرما کر لوٹادیں اوراس کے انعام میں گناہوں کومعاف فرمادے۔

عطا وکرم : گویا عطاءانعام کاایک ذریعہ ہے، اب یہ تقدیر والوں کا حصہ ہے، چاہے جو فائدہ اٹھائے، کاش یہ مفت کا انعام حاصل کرنے کی توفیق ہم سب کونصیب ہو۔

خیرات کرنا: مالی اور جسمانی دونوں نفل سنت اور واجب وفرض بھی ہے، سنت تو ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے، فداہ آنحضرت امی وابی قرض لے کر بھی ضرورتمند کی حاجت روائی فرمایا کرتے تھے، قرض اس لیے کہ اس کا حکم قرآن کریم میں ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ سے ظاہر ہے۔

قرآن کریم کا ہر حکم جو مسلمانوں اور مومنوں کے لیے ہے، اس کی تکمیل فرض ہے، زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا، والدین کی اطاعت وخدمت کرنا، نظریں نیچی رکھنا، یعنی نامحرم کو نہ دیکھنا، عورتوں کو پردہ کرنا، لوگوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا، تجارت میں دیانتداری رکھنا، گواہی وشہادت کے لیے تیار رہنا، وعدہ کا ایفا کرنا، حلال کسب کرنا، حرام کمائی سے بچنا وغیرہ، یہ سب احکام تعمیل کے لیے فرض کا درجہ رکھتے ہیں، خیرات بھی اسی طرح فرض ہے۔

غیر مالی خدمت : جسمانی طور پر کسی کی غیر مالی خدمت کرنا مثلاً کسی کو راستہ بتانا، کسی کی تیمارداری کرنا، مالی حقوق ادا کرنا ہیں، ارشاد ربانی ہے۔

''یعنی قرابت دار کو اس کا حق مالی وغیر مالی دیتے رہنا'' (القرآن)

گویا نہ صرف روپیہ پیسہ ہی دینا خیرات کرنا ہے؛ بلکہ غیر مالی حق کے طور پر اخلاق حسنہ اور خدمت بھی لازم ہے اور یہ بھی قرابت داروں کا حق ہے، غیر مالی حق یہی خدمت ہے جو بہتر اور اعلی صورت میں اس طرح ہوگی، کہ آپ اپنے عزیزوں، دوستوں اور برادری والوں کو دنیاوی خدمت کے ساتھ ساتھ نیکی کی طرف مائل کریں، برے کاموں کو چھوڑنے کی تلقین کریں، اسراف وبیجا خرچ کرنے سے بچنے کی رائے دیں اور رسومات وغیر شرعی حرکات کو ختم کرنے کا مشورہ دیں، کوشش اور جدوجہد کریں، شادی اور سوگ مرگ پر رسومات نہ کرنے کا مشورہ دیں۔

حق ادا کرنا : خواہ بظاہر اس میں کامیابی نہ ہو، لیکن کوشش جاری رکھنا ضروری ہے، اس لیے کہ کوشش کرنے والا اپنی ذات میں کامیاب و کامران ہے، کوشش کرتے رہنا ہی حق ادا کرنا ہے، نیت کا علم اللہ تعالی کو ہی ہوتا ہے، وہی اجر عطا کرنے والے ہیں، جس نے خلوص نیت کے ساتھ عمل وکوشش جاری رکھی وہی مراد کو پہنچے گا۔

جس کو دنیاوی دولت یعنی روپیہ پیسہ کی گنجائش حاصل نہ ہو وہ صرف جسمانی خیرات یعنی خدمت کر کے حق ادا کرے گا، لیکن جس شخص کو مال و زر حاصل ہے، اس کو دونوں صورتوں میں عمل کرنا ہوگا اور نقد خیرات بھی کرنی ہوگی کہ یہ ہی مفہوم قرآن حکیم کا ہے۔

خیرات کس کو دو: "مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ" (البقرہ: ٤/٢٦)

جو کچھ مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے، قرابت والوں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لیے خرچ کرو۔

کس طرح دو : اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ، وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (البقرہ: ٣/٢٧)

اگر ظاہر کر کے دو تو اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

احسان وایذاء سے بچو: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقر: ٣/٣٦) احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر خیرات ضائع نہ کرو۔

ریاکاری نہ کرو : كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (البقرۃ: ٣/٣٦) اور نہ اس شخص کی طرح خیرات ضائع کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ وقیامت پر یقین نہیں رکھتا۔

اہمیت : خیرات کی اہمیت واضح ہے، خیرات صدقات کے فوائد بے شمار ہیں، افسوس ہے کہ ہم اپنے مفاد اور اپنی آخرت کے معاملہ کو

چھوڑ کر دنیاوی نام ونمود میں لگ گئے ہیں، افسوس ''بے شک انسان نقصان میں ہے''۔

سورۃ العصر کا ترجمہ تلاوت کرلیں، انسان کا نقصان اوران نقصان سے محفوظ رہنے کا طریقہ معلوم ہو جائے گا، ہم میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جو شادی بیاہ میں چندروزہ دھوم دھام اورنام ونمود کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کردیتے ہیں، اگران خرچ کرنے والوں سے یہ درخواست کی جائے کہ کچھ رقم خیرات کردیں تو بڑی مشکل سے تیار ہوں گے، حالانکہ خوشی کے موقعوں پر احسان خداوندی کے اظہار اور شکرانے کے طور پر یوں بھی خیرات کرنی لازم ہے، پھر صدقہ بھی ضروری ہوتا ہے؛ لیکن اس طرح کی کوئی مداس خرچ میں نہیں نکلتی۔

اللہ تعالی ہی جانتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے، ورنہ بظاہر تو بڑی چھوٹی سی بات ہے کہ لاکھوں خرچ کررہے ہیں، اگر چند ہزار یا صرف ایک ہزار راہ خدامیں خیرات کردیا جائے تو کیا فرق پڑے گا۔

آداب: بہتر ہے کہ خیرات چھپا کردے، اپنے داہنے ہاتھ سے اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے، صبر وقناعت ہو تو دینے والے کی راہ میں سب کچھ لٹادے۔

جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ گھر میں جو کچھ بھی تھا ایک دفعہ سب کچھ لاکر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کردیا، جب پوچھا گیا کہ اپنے لیے کیا رکھا ہے، تو انتہائی مسرت کے ساتھ فرمایا......اللہ اور اللہ کا رسول

ایسا نہ کرسکے تو اپنی جائز ضروریات سے جو بچے، وہ خیرات کردے، اس کی بھی ہمت نہ ہو تو جس قدر مناسب حال ہو، اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اگر بوجہ مفلسی وتنگدستی کچھ بھی نہ دے سکے تو جس چیز پر قدرت اصل ہو، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے، احادیث میں ایسے کام بتلائے گئے ہیں، امام غزالیؒ انھیں ایک جگہ نقل فرماتے ہیں:

''بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، حاجت کے وقت محتاج کی مدد کرنا، یعنی کسی مزدور کا بوجھ بٹالینا، سہارا دے دینا، کوشش وسفارش سے کسی کا جائز کام نکلوادینا، نیک بات کہہ دینا، ہمت بندھانا، ڈھارس دلانا وغیرہ۔

بہر حال سائل کو خالی واپس نہ کرے، اگر اور کچھ نہ ہو تو روٹی کا ایک ٹکڑا ہی دیدے، یہ بھی نہ ہو تو اس کے حق میں کلمۂ خیر ہی کہہ دے، اسے سخت وسست نہ کہے نہ اسے جھڑکے، یہ سب باتیں احادیث اور قرآن پاک میں ہیں جو چیز بھی دینا چاہے سائل کو ہاتھ میں آرام واطمینان سے دے، اس کی طرف اس طرح نہ پھینکے جیسے کتے کو لقمہ پھینکا جاتا ہے۔

محل خیرات بہتر تلاش کرے، والدین، اقرباء، یتیم ومسکین مسافر وفقیر کے علاوہ طالب دین، پرہیز گار عالم، نیک بخت، عیالدار اور ایسے لوگ جو حاجت مند ہونے کے باوجود دست سوال دراز کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

مساجد، مدارس دینیہ اور امور جائز پر خرچ کرنا افضل ہے، ان کے لیے کچھ چندہ وغیرہ دینا ہو تو وہ خود پہنچادیں اور اگران کی طرف سے کوئی لینے دینے کے لیے آئے تو اسے جلدی دیکر فارغ کردیں، ٹال مٹول نہ کریں، اسے چکر نہ کٹوائیں، کیونکہ بار بار آنے سے تکلیف کا وبال خیرات کی قدر وقیمت کو گھٹا دیتا ہے اور مولائے کریم کی ناراضی کا سبب بنتا ہے، کیونکہ جب اس نے آپ کو سب کچھ ازخود دے رکھا ہے تو آپ اس میں سے اس کے نام پر دیتے وقت کیوں سوچ میں پڑجاتے ہیں:

جس طرح ایک سرمایہ دار روزانہ کچھ نہ کچھ بینک میں جمع کرنے اور زیادہ سے زیادہ سود حاصل کرنے کے لیے حریص رہتا ہے، اسی طرح آپ کو بھی آخرت کے بینک میں بمد خیر وصدقات ضرور کچھ نہ کچھ جمع کرتے رہنا چاہئے، سرمایہ دار سودخوار تو اپنا سب کچھ یہاں چھوڑ جائے گا اور آخرت میں مفلس ومحتاج ہوگا مگر آپ کا دیا ہوا مال ایک سے سات سوگنا تک یا اس سے بھی زیادہ وہاں پہنچتے ہی وصول ہو جائے گا ارشاد ہے۔

''اور تم لوگ نماز کو قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور اللہ جل شانہ کو قرض حسنہ دیتے رہو اور جو نیکی تم اپنے لیے ذخیرہ بنا کر آگے بھیجدوگے اس کو اللہ جل شانہ کے پاس جاکر، اس سے بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ تعالی سے گناہ معاف کراتے رہو، بیشک اللہ جل شانہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے''۔ ☆☆☆☆☆

نئی کتاب پر تبصرہ

مولانا محمد ساجد قاسمی کھجناوری

اشاعت خاص ماہنامہ القاسم
تذکرہ وسوانح حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی
قیمت: ۲۰ر فی شمارہ
صفحات: ۵۱۲
ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، پاکستان

پاکستان کے شہرت یافتہ عالم دین ومشہور قلم کار حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کسی بھی اعتبار سے محتاج تعارف نہیں ہیں وہ نہ صرف ماہنامہ القاسم کے مرتب اور سرپرست ہیں؛ بلکہ اپنی چند خوبیوں کی وجہ سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، انہوں نے ماہنامہ القاسم کے ذریعہ علمی حلقوں میں اپنی تحریروں کے جونقوش ثبت کئے ہیں وہ ان کی قلمی صلاحیت کے گواہ ہیں، مولانا نہ صرف عالموں کے حددرجہ قدرداں ہیں، عالمی شخصیات کی خدمات کو اجاگر کرنے کا خاصا ذوق بھی رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ادارہ سے ایسی شخصیات پر وقفہ وقفہ سے نمبرات شائع کرتے رہتے ہیں، جنھوں نے عالمی سطح پر اپنا منفرد مقام بنایا ہو، اس سلسلے میں اب تک اس ماہنامہ کی متعدد خاص اشاعتیں شائع ہوچکی ہیں، جن کو صاحب ذوق حضرات نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور مرتب کی خوب پذیرائی ہوئی۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ پر یہ خاص نمبر بھی ان کے اسی ذوق کی ترجمانی کرتا ہے، انہوں نے اس اشاعت خاص کے لیے غیر معمولی محنت کی ہے اور حضرت مدنی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے مختلف مضامین کی یکجا شکل میں اشاعت خاص کا التزام کرکے ۵۱۲ر صفحات پر مشتمل یہ علمی تحفہ جس عرق ریزی اور خوش اسلوبی سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے، اس سے ان کی محنت اور حضرت مدنی سے ان کے خاص تعلق کا پتہ چلتا ہے، اس خصوصی مجلّہ میں انہوں نے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے تمام گوشوں پر حاوی مضامین کو یکجا کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے۔

انہوں نے اس مجموعہ کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کی غرض سے ۱۲ر ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

جن کے اندر حضرت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ کے نقوش زندگی، خاندانی حالات، تحصیل وتکمیل علم وفضل، اوصاف، کمالات اور جامعیت، رفعت شان اور عالمانہ جلالت قدر، ان کے نقوش وتأثرات، قیادت وشجاعت، تدبر وبصیرت، سیاسی کارنامے اور قومی وملی خدمات، فتنوں کا تعاقب اور اسفار، سلوک وارشاد اور مدنی نسبتیں، مواعظ، خطبات اور افادات، سفر آخرت اور آخر میں متفرقات کے عنوان سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر خاصا مواد جمع کردیا ہے۔

مرتب موصوف نے جس خوبصورتی سے اس اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اس سے ان کی نری صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے، مضامین کے انتخاب میں مرتب نے نہایت محتاط پہلو اختیار کیا ہے، ایسے افکار ورجحانات جو بسا اوقات جذبات کے سبب تحریر ونگارش میں پیش آتے ہیں، ان سے یہ رسالہ منقح ہے، تاہم شاذ ونادر واقعات سے انکار نہیں، نیز ایک دوجگہ کتابت کی غلطی بھی بدمزگی کا سبب بنی، تاہم مجموعی طور پر یہ رسالہ اور اشاعت خاص قابل مطالعہ اور حددرجہ مفید ہے جس کا صحیح اندازہ مجموعہ کے مطالعہ کے بغیر ناممکن ہے۔

غرض یہ کہ شائقین علم وعمل کے لیے عموماً اور فدائے ملت کے معتقدین، محبین، ومتوسلین کے لیے خصوصاً یہ کامیاب اشاعت، دستاویزی حیثیت کی حامل ہے، ہم اس مبارک اور محنت طلب کوشش پر مرتب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جس طرح مرتب کی دیگر کاوشیں مثلاً تذکرہ حضرت علام سید سلیمان ندوی تذکرہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی وغیرہ کو خوب سراہا گیا ان کی اس کوشش کو بھی داد وتحسین سے نوازا جائے گا۔

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

نئی مرکزی حج کمیٹی کی تشکیل

نئی دہلی- مرکزی حکومت نے ممبر پارلیمنٹ اقبال احمد سرودگی کی سربراہی میں نئی چھ رکنی مرکزی حج آف انڈیا کی تشکیل کا اعلان کردیا، مسٹر تنویر احمد کی سربراہی والی سابقہ کمیٹی کی مدت کار ۱۵ر ستمبر کو ختم ہوگئی تھی، نئی کمیٹی کے دیگر ارکان ڈاکٹر شفیق احمد برق، مختار عباس نقوی، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا محمد معظم احمد اور مولانا سید بلال ہوں گے، وزارت خارجہ، شہری ہوابازی، مالیات اور داخلہ کے جوائنٹ سکریٹریوں کو بھی بہ لحاظ عہدہ، سابق وزیر اعلی آسام سیدہ انورہ تیمور، سری نگر کی محمودہ افضل، حافظ نوشاد احمد اعظمی، حسن احمد، حاجی اے وی عبدالرحیم (کیرلا) اور پروفیسر علی کنی کو بھی کمیٹی میں نمائندگی دی گئی ہے۔

ہندوستانی سیاست ہندتو سے متأثر

واشنگٹن- دنیا میں مذہبی آزادی سے متعلق امریکہ کے اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں مرکز کی یوپی اے سرکار کی طرف سے کسی بھی مذہبی نظریہ سے متأثر ہوئے بغیر کام کرنے کے اعلان کے باوجود ملک کے کچھ حصوں میں سرکاری پالیسیاں اور سماجی تانا بانا ابھی بھی ہندتو سے متأثر ہے۔

امریکہ حقیقی جوہری خطرہ

ہوانا- ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے یہاں اٹھارہ رکنی ناوابستہ تحریک کی چوٹی کانفرنس میں کہا کہ امریکہ ہی حقیقی جوہری خطرہ ہے اور یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ لوگ امریکی جوہری خطرے کے سایہ میں کیوں رہ رہے ہیں، انھوں نے سلامتی کونسل میں اصلاح پر زور دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ اور برطانیہ کو اس میں کوئی جگہ نہیں ملنی چاہئے؛ کیونکہ وہ اس کا اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ایران وقت کی گارنٹی کا خواہاں

ویانا- انٹرنیٹ پر شائع ایرانی امور کے دو ماہرین عباس ملکی اور کے افراشیابی نے کہا ہے کہ ایران چاہتا ہے کہ اسے ہلکے پانی سے چلنے والے پلانٹوں کی فروخت اور محفوظ جوہری ایندھن کی سپلائی جیسے فوائد کے لیے وقت کی گارنٹی دی جائے، ایک سینئر یورپی سفارت کار نے کہا ہے کہ ایران نے مغرب کے پیکج کے لیے ''نا'' نہیں کہا ہے، ادھر فرانس کے وزیر خارجہ فلپے دوستے بیلزی نے کہا ہے کہ مغرب کے پیکج پر ایران کا جواب امید کے مطابق نہیں ہے، اس نے مذاکرات کے لیے آمادگی تو ظاہر کی ہے، لیکن سلامتی کونسل کے مطابقہ کو تسلیم کرنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے۔

اسرائیل کا اعتراف

یروشلم- اسرائیل نے کہا ہے کہ لبنان جنگ کے دوران اقوام متحدہ کے چار فوجی مشاہدین کی ہلاکتیں نقشہ کی غلطی کی وجہ سے ہوئیں، ادھر اقوام متحدہ نے کہا ہے کہ اس نے حملہ سے چند گھنٹے قبل اسرائیل سے بیسیوں بار کہا تھا کہ وہ چوکی کے نزدیک بمباری بند کردے، اسرائیل نے اپنی اس غلطی پر افسوس کا اظہار کیا ہے، اسرائیل نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ آسٹریلیا، کناڈا، چین اور فن لینڈ کے افسران کے سامنے پیش کی ہے، جن کے امن بردار فوجی مارے گئے تھے۔

پوپ کا اظہار تأسف

ویٹی کن سٹی/ ہولی سی- پاپائے روم بینڈکٹ ۱۶ر نے کہا ہے کہ جرمنی کی ایک یونیورسٹی میں دے جانے والے ایک لکچر کے دوران اسلام کے بارے میں جو باتیں انھوں نے کہی تھیں اس سے مسلم دنیا کو گہرا صدمہ پہنچا ہے، اس کے لیے وہ معذرت خواہ ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ یہ ان کی ذاتی رائے نہیں ہے، بلکہ انھوں نے ایک رومی شہنشاہ کا قول نقل کیا تھا۔

عراق میں خانہ جنگی کا خطرہ

اقوام متحدہ- اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کوفی عنان نے عراق کے لیے بین الاقوامی تعاون حاصل کرنے سے متعلق کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اگر عراق میں تشدد کے واقعات میں مزید اضافہ ہوتا رہا اور اسے الگ تھلگ رہنے دیا گیا تو وہاں مکمل خانہ جنگی پھیل سکتی ہے، اور اس کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے، مشرق وسطی کے دورے سے واپس آنے والے مسٹر عنان نے کہا کہ وقت کا تقاضہ ہے کہ فوری طور پر مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر عراق کو تعاون دیا جائے۔